بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکائی سوم: عہد عباسی میں علوم وفنون کا ارتقاء

3.1	مقصد
3.2	تمہید
3.3	عصر عباسی میں فروغ پانے والے علوم وفنون
3.4	اسلامی علوم وفنون
3.4.1	علوم القرآن
3.4.1.1	علم تفسیر
3.4.1.2	عہد عباسی میں تفاسیر کی اقسام
3.4.1.2.1	تفسیر بالماثور
3.4.1.2.2	تفسیر بالرائے
3.4.1.2.3	دیگر اقسام تفسیر
3.4.1.3	علم قراءت
3.4.1.4	علم تجوید القرآن
3.4.1.5	علم اسباب النزول
3.4.1.6	علم رسم القرآن
3.4.1.6.1	نقطے اور اعراب
3.4.1.7	علم اعراب ومعانی القرآن
3.4.1.8	غریب القرآن
3.4.1.9	علم الناسخ والمنسوخ
3.4.1.10	علم احکام القرآن
3.4.1.11	مشکل القرآن
3.4.1.12	علم المحکم والمتشابہ
3.4.1.13	اعجاز القرآن وبلاغتہ/علم بلاغۃ القرآن
3.4.1.14	علم الوقف والابتداء (المقطوع والموصول)
3.4.1.15	علم امثال القرآن
3.4.1.16	علم لغات القرآن
3.4.2	حدیث اور علوم حدیث
3.4.2.1	تدوین احادیث کے ادوار
3.4.2.2	عہد عباسی میں مرتب کردہ مجموعۂ احادیث
3.4.2.2.1	الجوامع الصحیحۃ

3.4.2.2.2 السنن

3.4.2.2.3 المسند / المسانید

3.4.2.2.4 المصنف

3.4.2.3 عہد عباسی کا سرمایۂ حدیث

3.4.2.3.1 عہد عباسی کا شیعی سرمایۂ حدیث

3.4.2.4 علوم الحدیث

3.4.2.1 علم اسماء الرجال/علم رجال الحدیث

3.4.2.2 علم الجرح والتعدیل

3.4.2.3 علم مختلف الحدیث

3.4.2.4 علم علل الحدیث

3.4.2.5 مشکل الحدیث

3.4.2.6 علم غریب الحدیث

3.4.2.7 علم الناسخ والمنسوخ

3.4.2.8 علم موضوعات الحدیث

3.4.2.9 علم اصول الحدیث

3.4.3 فقہ اور اصول فقہ

3.4.3.1 فقہ کی تعریف

3.4.3.2 تدوین فقہ کے ادوار

3.4.3.3 عہد عباسی کا فقہی سرمایہ

3.4.3.3.1 فقہ حنفی

3.4.3.3.2 فقہ مالکی

3.4.3.3.3 فقہ شافعی

3.4.3.3.4 فقہ حنبلی

3.4.3.3.5 فقہ جعفری

3.4.3.4 فقہی علوم

3.4.3.4.1 علم اصول فقہ

3.4.3.4.2 علم الفرائض/علم المیراث

3.4.4 سوانحی ادب

3.4.4.1 سیرت نبوی

3.4.4.2 فن اسماء الرجال

3.4.4.3 فن تراجم وتذکرہ

3.5 سائنسی علوم وفنون

3.5.1 کیمیا (کیمسٹری)

3.5.2 طبیعیات/طبعیات (فزکس)
3.5.3 طب (میڈیسن)
3.5.4 ریاضی، ہندسہ اور حساب
3.5.5 علم ہیئت اور نجوم
3.5.6 علم جغرافیہ
3.5.7 علم معدنیات (Geology,Minerology)
3.5.8 علم نباتیات/نباتات (Botany)
3.5.9 علم حیوانات (Zoology)
3.6 سماجی علوم
3.6.1 علم تاریخ
3.6.2 فلسفہ ومنطق
3.6.3 علم کلام
3.6.4 علم تصوف
3.7 ادبی علوم وفنون
3.7.1 نثر نگاری
3.7.1.1 تنقید اور علم بلاغت
3.7.1.2 ادب الرحلات
3.7.1.3 علم لغت
3.7.1.3.1 تدوین لغت نگاری کے مراحل
3.7.1.3.2 عربی لغت نگاری کے اسکول
3.7.2 شاعری
3.8 خلاصہ
3.9 نمونے کے امتحانی سوالات
3.10 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

3.1 مقصد

اس اکائی کا مقصد عصر عباسی میں پروان چڑھنے والے علوم وفنون سے متعارف کرانا ہے۔اس اکائی کو پڑھ کو ہم اس بات سے واقف ہوسکیں گے کہ علوم وفنون کے اعتبار سے عصر عباسی کو تمام اسلامی ادوار میں کیا مقام ومرتبہ حاصل تھا؟ ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بھی اندازہ ہوسکے گا کہ اس عہد میں ہونے والی ترقیاں کتنی ہمہ جہت تھیں کہ انسانی زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں تھا جس میں اس عہد کی سرگرمیوں کی وجہ سے نمایاں تبدیلیاں نہ ہوئی ہوں۔

3.2 تمہید

اسلامی تاریخ کے تمام ادوار میں عصر عباسی کو جو مقام ومرتبہ حاصل ہے وہ کسی اور عہد وعصر کو حاصل نہ ہوسکا۔اس فضلیت اور برتری کے کئی اسباب ہیں جن میں سے اس کا طویل ترین ہونا، عباسی خلفاء کا اسلامی تہذیب وتمدن کو پروان چڑھانے اور علوم وفنون کو فروغ دینے کے تئیں ذاتی طور پر دلچسپی لینا، مختلف تہذیب وتمدن کا ملاپ اور اس کے نتیجہ

میں پروان چڑھنے والی ایک رنگ برنگ تہذیب، جس میں اسلامی تہذیب وتمدن کا رخ زیبا مکمل طور پر سامنے آتا ہے، کا پروان چڑھنا وغیرہ ہیں۔اس عہد میں اسلامی تہذیب وتمدن اور ثقافت اپنی پوری طاقت اور توانائی کے ساتھ کچھ اس طرح منظر عام پر آتی ہے کہ صدیوں تک صرف اسی تہذیب وتمدن وثقافت کا بول بالا رہا اور تاریخ انسانی کی تمام ترقی یافتہ تہذیبیں گویا اس کے ماند پڑ گئی تھیں۔

عصر عباسی میں ہونے والی گوناگوں تبدیلیوں اور ترقیوں میں علوم وفنون کا فروغ پانا بھی شامل ہے۔جس طرح اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اکثر اسلامی علوم وفنون کے ساتھ ساتھ دیگر علوم وفنون کی بنا عہد اموی میں رکھی جا چکی تھی، اسی طرح اس حقیقت کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے ان علوم وفنون پر مکمل بال وپر عہد عباسی میں آئے تھے اور اسی عہد میں وہ اپنی پوری تابناکی اور رعنائی کے ساتھ جلوہ افروز ہوئے تھے اور اسلامی تہذیب وتمدن کو فروغ دینے اور پروان چڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔

عصر عباسی میں پروان چڑھنے والی علمی تحریک اور اس کے ثمرات سے ایک طویل عرصہ تک فائدہ اٹھایا جاتا رہا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ مغربی اور یورپین ممالک کی ترقی میں اس تحریک نے اہم اور نمایاں کردار ادا کیا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔متعدد مغربی مصنفین نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مغرب کی ترقی میں عہد عباسی میں پروان چڑھنے والی علمی تحریک کا کافی اور نمایاں حصہ ہے جس نے انھیں اندھیروں سے نکال کر اجالوں سے روشناس کرایا تھا۔

عصر عباسی میں کی علمی تحریک کا سب سے بڑی خصوصیت یہ قرار دی جاتی ہے کہ اس میں علماء وفضلاء کو ہر قسم کی آزادی تھی۔انھیں کسی قسم کے تعصب کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔وہ سب اپنے اپنے مذہب اور عقیدہ میں عمل کرتے ہوئے علوم وفنون کو فروغ دینے میں مصروف عمل رہا کرتے تھے۔

3.3 عصر عباسی میں فروغ پانے والے علوم وفنون

عصر عباسی میں فروغ پانے والے علوم وفنون کی تاریخ پر جب ایک سرسری نگاہ ڈالی جاتی ہے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان علوم وفنون کو دو بنیادی زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

☆ وہ علوم وفنون جو عصر عباسی کے علماء وفضلاء کو اسلاف سے بطور ورثہ ملے تھے۔ان علوم وفنون کی تعداد زیادہ ہے بلکہ یہ کہا جائے کہ ان کی ہی اکثریت ہے تو غلط وبیجا نہیں ہوگا۔

☆ وہ علوم وفنون جن کی بناء عصر عباسی میں رکھی گئی تھی۔مجموعی طور پر ان علوم وفنون کی تعداد کم ہے۔

عہد عباسی میں فروغ پانے والے دونوں زمروں کو حسب ذیل علوم وفنون میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

☆ اسلامی علوم وفنون جیسے قرآنی علوم، علوم حدیث وفقہ اور ان کے متعلقات۔

☆ سائنسی علوم وفنون جیسے کیمیاء (کیمسٹری)، طبیعیات/طبعیات (فزکس)، طب (میڈیسن) وغیرہ۔

☆ -سماجی علوم جیسے تاریخ وجغرافیہ، فلسفہ ومنطق وغیرہ اور ان کے متعلقات۔

☆ ادبی علوم وفنون جیسے نثر نگاری، شاعری، بلاغت وغیرہ اور ان کے متعلقات۔

مذکورہ بالا علوم وفنون کے بطن سے نت نئی شاخیں پھوٹیں تھیں جن میں اس عہد میں اتنے بال وپر آئے کہ آگے چل کر انھیں ایک مستقل علم وفن کا درجہ حاصل ہو گیا جیسے فن سیرت نبوی کہ اس کے ابتدائی خدوخال ہمیں حدیث میں ملتے ہیں لیکن آگے چل کر وہ ایک مستقل فن بن جاتا ہے۔اسی طرح فن سیرت نگاری سے فن تاریخ پروان چڑھتا ہے جو آگے چل کر سیرت نبوی سے جدا ہو کر ایک مستقل علم وفن کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

عہد عباسی میں علوم وفنون کا ذکر کرنے سے قبل اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ درج ذیل سطور میں صرف ان علماء وفضلاء کے علمی کارناموں جن کا تعلق سلطنت عباسیہ سے تھا۔اس بحث میں اندلسی علماء اور عہد عباسی کے بعد کے علماء کے کارناموں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس مبحث میں بہت سے نامور مصنفین کا ذکر موجود نہیں ہے جیسے قاضی عیاض، ابن خلدون، ابن بطوطہ اور ابن جبیر وغیرہ۔

3.4 اسلامی علوم وفنون

فطری طور پر اسلامی علوم فنون کا ارتقاء عہد عباسی میں زیادہ ہوا تھا کہ وہ مختلف علوم فنون جن کی ابتداء عہد نبوی تا عہد اموی کے دوران ہوئی تھی وہ اپنے ارتقائی مراحل سے گزرتے ہوئے عہد عباسی میں بام عروج پر پہنچ گئے۔ان علوم وفنون کا ایک مختصر جائزہ حسب ذیل سطور میں پیش کیا جارہا ہے۔

3.4.1 علوم القرآن

قرآن کریم ایک ابدی اور جامع کتاب ہے جس زندگی کے تمام معاملات میں بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے نازل کیا گیا تھا۔قرآن کریم میں ایک مکمل ضابطۂ

حیات بیان کیا گیا ہے۔قرآن کریم میں صرف اصول وکلیات ہی بیان کیے گئے جن کی تفصیل اور تشریح احادیث نبویہ میں بیان کی گئی۔بقول امام شاطبی ''قرآن کریم اختصار کے باوجود جامع ہے اور وہ جامع اسی اعتبار سے ہے کہ اس میں دین کے اصول وکلیات جمع ہو گئے ہیں۔جب نزول قرآن کی تکمیل ہوگئی تو شریعت مکمل ہوگئی''۔

امام شاطبی کے اس قول سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دین کے اصول وکلیات کو جاننے کے لیے قرآن کریم کا سمجھنا ضروری ہے۔صحابہ کرامؓ کو اہل زبان ہونے کی وجہ سے قرآن کے فہم وادراک میں صرف چند مقامات پر ہی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا جن کو انھوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں اقدس میں حاضر ہو کر سمجھ لیا لیکن جوں جوں اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور اسلام کے حلقۂ بگوش میں مختلف عجمی اقوام کے افراد شامل ہوتے چلے گئے تھے۔عربی زبان سے عدم واقفیت کی وجہ سے انھیں قرآن پڑھنے اور سمجھنے میں کئی ایک دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ان دشواریوں کے پیش نظر بہت سے علوم ایسے پروان چڑھے جن کے سوتے قرآن کریم سے پھوٹے تھے۔مثال کے طور پر قرآن کے ابتدائی نسخوں میں نقطوں اور اعراب کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا لہذا غیر عرب اقوام کو غلطیوں سے بچانے کے لیے نقطوں اور اعراب لگانے کے ساتھ ساتھ عربی زبان کے قواعد بھی مرتب کیے گئے تاکہ قرآن کو صحیح طور پڑھا اور سمجھا جا سکے۔

تقریباً تمام اسلامی علوم فنون کا منبع قرآن کریم ہی ہے لہذا یہ بات باعث حیرت واستعجاب نہیں ہونا چاہیے کہ قرآن کریم اور اس کے مختلف پہلوؤں پر بہت کثرت سے لکھا گیا ہے اسلامی علوم وفنون کے اسی مہتم بالشان حصہ کو علوم القرآن کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

علوم قرآنی کی چند شاخوں کی بنیاد صحابہ،تابعین اور تبع تابعین کے عہد میں ہی ڈالی جا چکی تھی۔خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عثمانؓ نے ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے نسخہ قرآن مجید کی نقول سے مصحف کی کاپیاں تیار کروا کر گویا علم رسم القرآن یا علم الرسم العثمانی کی بنیاد رکھ دی تھی۔خلیفہ چہارم حضرت علی بن ابی طالبؓ نے عربی زبان خاص طور سے قرآن مجید کی حفاظت کے لیے ابوالاسود دؤلی کے ذریعہ کچھ قواعد مرتب کر کے علم اعراب القرآن کی بناڈال دی تھی۔علوم قرآن کے حوالہ سے صحابہ کرامؓ جیسے حضرت عبداللہ بن عباس،عبداللہ بن مسعود،زید بن ثابت اور ابی بن کعب وغیرہ کی کوششوں کو تابعین کرامؒ جیسے امام مجاہد،امام عکرمہ،امام قتادہ،امام عطاء بن یسار،امام سعید بن جبیر،امام حسن بصری اور زید بن اسلم وغیرہ اور تبع تابعین کرامؒ نے جیسے حضرت امام مالک بن انس وغیرہ نے اپنے عمل مسلسل سے مزید آگے بڑھایا اور ''علوم القرآن کے سلسلے میں پیشرو مفکرین کا کردار ادا کیا اور اس موضوع پر بنیادی اور اساسی معلومات کا ذخیرہ فراہم کیا''۔ان حضرات کی کوششوں کے نتیجہ میں علم التفسیر،علم اسباب النزول،علم المکی والمدنی،علم الناسخ والمنسوخ اور علم غریب القرآن ودیگر علوم قرآنی کی بنا پڑی تھی اور ان موضوعات پر اس قدر سے کثرت سے لکھا گیا ہے کہ اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔یہ الگ بات ہے کہ ان علوم نے عہد تدوین میں مستقل علوم کا قالب اختیار کیا تھا۔

علوم قرآنی میں علم تفسیر کو سب سے زیادہ اہم علم قرار دیا گیا ہے کہ دوران تفسیر مفسرین نے علوم قرآن پر کہیں مفصل اور کہیں اجمالی طور پر بحث کی ہے۔قرآن کی تفسیر لکھنے کے علاوہ متعدد علماء نے اس کے خاص خاص پہلوؤں کو اپنی اپنی نگاہ التفات کا مرکز بناتے ہوئے جداگانہ اور مستقل بالذات کتب لکھنے کا آغاز کیا کہ کسی نے صرف فقہی نقطۂ نظر کو اجاگر کیا تو کسی نے صرف قرآن میں پائے جانے عجمی الفاظ کو اپنا موضوع بحث بنایا تو کسی نے قرآن کی امثال پر قلم اٹھایا۔کسی نے آیات کے اسباب نزول پر روشنی ڈالی ہے تو کچھ نے مکرر آیات کی حکمت وفوائد کو اجاگر کیا ہے۔اس قسم کے موضوعات ومضامین کی تعداد مجموعی طور اسّی (۸۰) بیان کی جاتی ہے جنھیں اجمالی طور ''علوم القرآن'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔متقدمین ومتاخرین علماء وفضلاء کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے بعض اصحاب قلم نے ان علوم پر مستقل کتب ترتیب دی ہیں۔عصر حاضر میں لکھی جانے والی کتب میں شیخ محمد عبدالعظیم زرقانی کی کتاب ''مناهل العرفان في علوم القرآن''،مناع القطان کی کتاب ''مباحث في علوم القرآن''اور صبحی صالح کی کتاب ''مباحث في علوم القرآن''بہت زیادہ مشہور ومتداول ہیں۔

موجودہ معلومات کے مطابق ابتدائی تین صدیوں تک قرآنی علوم کی متعدد شاخوں پر جداگانہ طور پر کتابیں لکھی جاتی رہی تھیں۔چوتھی صدی کی ابتداء میں قرآنی علوم پر مجموعی طور بحث کا آغاز ہوتا ہے۔محمد بن خلف بن مرزبان محولی (م ۳۰۹ھ) کے بارے میں مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے ہی سب سے پہلے قرآنی علوم پر مجموعی طور بحث کا آغاز کیا تھا۔انھوں نے علوم قرآن کے موضوع پر ستائیس اجزاء پر مشتمل کتاب لکھی تھی جس کا نام الحاوی في علوم القرآن تھا۔اسی طرح حافظ احمد بن جعفر منادی (م ۳۳۶ھ) کے حالات زندگی کے ضمن میں پتہ چلتا ہے کہ انھوں علوم قرآن کے موضوع پر کم وبیش چار سو مستقل کتابیں لکھیں تھیں جن میں سے بعض کا مطالعہ ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) نے کیا تھا۔غالباً انھیں سے متاثر ہو کر ابن جوزی نے بھی اس موضوع پر فنون الأفنان في علوم القرآن لکھی تھی۔

بعض محققین کا خیال ہے کہ علوم القرآن کی جدید اور جامع اصطلاح کو اس کے وسیع تر مفہوم میں سب سے پہلے علی بن ابراہیم بن سعید حوفی (م ۴۳۰ھ) نے استعمال کیا تھا اور تیس جلدوں پر مشتمل البرهان في علوم القرآن مرتب کی تھی۔

بعض علماء نے علوم القرآن کے ایسے رموز کو بھی اپنے مطالعہ کا محور بنایا ہے جیسا ابن انباری محمد بن قاسم (م ۳۲۸ھ) نے عجائب علوم القرآن نام کتاب لکھی

تھی۔

علوم القرآن کے موضوع پر مجموعی یا کسی ایک علم قرآن پر متعدد کتب لکھی گئیں ہیں جیسے عبدالرحمٰن مقدسی (م ۶۶۵ھ) کی المرشد الوجیز في علوم القرآن العزیز ،امام زرکشی (م ۷۹۴ھ) کی البرهان في علوم القرآن اورامام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی الاتقان في علوم القرآن وغیرہ۔لیکن یہ اوران جیسی کتب عہد عباسی کے بعد لکھی گئی ہیں لہذا یہاں ان کا تذکرہ نہیں کیا جارہا ہے۔

علوم القرآن کا دائرہ بہت وسیع ہے اوراس موضوع پر لکھی گئی کتب وتصنیفات کا استقصاء واستیعاب تو ایک بہت ہی زیادہ مشکل عمل ہے۔لہذا اس کے تمام علوم کا احاطہ کرنے کی بجائے صرف اہم علوم قرآنی کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے۔یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ پہلی صدی ہجری میں قرآن کریم کے مختلف موضوعات کو ایک ہی عنوان اور موضوع کے تحت بیان کردیا جاتا تھا۔دوسری صدی ہجری کے اوائل سے قرآن کریم کے خاص خاص مباحث پر جداگانہ اور مستقل تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا جو آج تک دراز ہے۔اسی طرح اس بات کی نشاندہی بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کی علوم قرآن پر لکھی جانے والی اکثر تصانیف وکتب چھٹی صدی ہجری/ بارہویں صدی عیسوی تک علماء وفضلاء کے درمیان متداول رہی ہیں لیکن وہ امتداد زمانہ کے ساتھ زمانہ کی دست وبرد کا شکار ہوتی چلی گئیں اور مصادر ومراجع میں صرف ان کا نام ہی محفوظ رہ گیا۔

درج ذیل سطور میں قرآنی علوم کی اہم اور بنیادی علوم کا ذکر کیا جارہا ہے۔

3.4.1.1 علم تفسیر

عہد تدوین میں علم تفسیر کو دیگر تمام قرآنی علوم پر فوقیت وبرتری حاصل ہے کہ اسے تمام علوم قرآنی میں اصل واساس ہونے کا شرف حاصل ہے۔قرآن کی تفسیر کا آغاز عہد نبوی سے ہی ہو چکا تھا۔آپ ﷺ خود ہی اس سب سے بڑے شارح تھے کہ متعدد احادیث کرام میں قرآن کریم کی آیات کا مفہوم واضح کیا گیا ہے۔آپ ﷺ کے بعد قرآن کی تفسیر کا فریضہ صحابہ کرامؓ نے انجام دیا جن میں سے خلفائے اربعہ،عبداللہ بن عباس،عبداللہ بن مسعود،زید بن ثابت ،اُبیّ بن کعب ،ابوموسی اشعری،عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ کا شمار مفسرین صحابہ میں ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا صحابہ کرامؓ میں سے حضرت اُبیّ بن کعب نے سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے عہد میں اپنی تفسیر لکھی تھی۔یہ تفسیر ناپید ہوچکی ہے تاہم اس کی مرویات کا ایک معتدبہ حصہ کتب تفاسیر واحادیث خاص طور سے تفسیر طبری ازمحمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ)،مسند امام احمد بن حنبل اور مستدرک حاکم اور میں محفوظ ہوگیا ہے۔ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی اپنی تفسیر لکھی تھی لیکن وہ بھی ناپید ہوچکی ہے تاہم اس کی مرویات کتب تفاسیر واحادیث میں بکھری ہوئی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حلقۂ درس سے ایک معتدبہ تعداد نے استفادہ کیا تھا جنھوں نے علم تفسیر کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ان کے شاگردوں میں سے سعید بن جبیر (۹۳ھ) اور ابوالعالیہ نے باقاعدہ اپنی اپنی تفاسیر لکھی تھیں جن کا شمار اولین اور بنیادی تفاسیر میں کیا جاتا ہے لیکن صد افسوس کہ وہ زمانہ کی دست وبرد کا شکار ہوچکی ہیں۔اول الذکر نے مشہور اموی خلیفہ مروان بن عبدالملک کی فرمائش پر قرآن کی تفسیر لکھی تھی۔بقول مقالہ نگار دائرۃ المعارف ''عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے،وہ درحقیقت یہی تفسیر ہے''۔

عہد اموی میں مفسرین کا دائرہ بہت بڑھ جاتا ہے تاہم تدوین کا عمل خال خال ہی نظر آتا ہے۔عہد اموی میں مرتب کی جانے والی تفاسیر میں محمد بن کعب قرظی (م ۱۰۸ھ)،عطاء بن ابی رباح (م ۱۱۴ھ) کی تفاسیر بھی شامل ہیں۔صحابہ کرام اور تابعین کرام سے استفادہ کرتے ہوئے اتباع تابعین نے تفسیر کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں جن میں سفیان بن عیینہ،وکیع بن جراح،شعبہ بن حجاج،یزید بن ہارون اور عبد بن حمید رحمہم اللہ کے نام نامی زیادہ نمایاں اور ممتاز ہیں۔

ان اولین اور بنیادی کوششوں اور کاوشوں کے بعد عہد عباسی میں تفسیر کے فن میں نمایاں طور پر ترقی کے مدارج پائے جاتے ہیں کہ تمام بنیادی اور اہم تفاسیر عہد عباسی کی مرہون منت ہیں۔چونکہ اس عہد میں علماء کرام کو اپنی اپنی پسند کے علمی کام کرنے کی مکمل طور پر آزادی تھی غالبا یہی وجہ ہے کہ اس عہد کی تفاسیر میں کئی قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں اور ہر مفسر نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق قرآن کی تفسیر لکھی مثلا فقہاء کی تفاسیر احکام کا مجموعہ بن گئیں،فلسفہ اور علم معانی وبیان کے ماہرین کی تفاسیر ان علوم کا منھ بولتا ثبوت بن گئیں۔

عہد عباسی کے مشہور مفسرین میں ابن جریج رومی اموی (م ۱۵۰ھ)،مقاتل بن سلیمان (م ۱۵۰ھ)،حسین بن واقد قرشی مروزی (م ۱۵۷ھ)،شعبہ بن حجاج (م ۱۶۰ھ)،سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ)،اسماعیل بن ابراہیم اسدی (م ۱۹۴ھ)،سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ)،وکیع بن جراح (م ۱۹۷ھ)،عبدالرزاق (م ۲۱۱ھ)،آدم بن ایاس (م ۲۲۰ھ)،سُرَیج بن یونس بغدادی (م ۲۳۵ھ)،ابن راہویہ (م ۲۳۸ھ)،احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) عمرو بن علی باہلی (م ۲۴۹ھ)،رَوح بن عُبادہ قیسی (م ۲۵۰ھ)،امام دارمی (م ۲۵۵ھ)،ابن ابی ثلج بغدادی (م ۲۵۷ھ)،اسماعیل بن یزید قطان (م ۲۶۰ھ)،امام تستری (م ۲۷۳ھ)،بقی بن مخلد (م ۲۷۶ھ)،الواحد عسّال (م ۲۸۲ھ)،بکر بن سہل

دمیاطی (م۲۸۹ھ)، ابراہیم بن معقل نسفی (م۲۹۵ھ)، محمد بن جریر طبری (م۳۱۰ھ)، ابوبکر بن ابی داؤد سجستانی (م۳۱۰ھ)، حسین بن محمد اصفہانی (م۳۶۹ھ)، ابواللیث سمرقندی (م۳۷۵ھ)، ابوجعفر ہروی (م۳۸۱ھ)، ابن عطیہ دمشقی (م۳۸۳ھ)، علی بن عیسی رُمّانی (م۳۸۴ھ)، معافی بن زکریا نہروانی (م۳۹۰ھ)، ابوالحسن جرجانی (م۳۹۲ھ)، احمد بن فارس بن زکریا قزوینی (م۳۹۵ھ)، حسن بن محمد نیساپوری (م۴۰۶ھ)، امام سلمی (۴۱۲ھ)، امام ثعلبی (م۴۲۷ھ)، امام ماوردی (۴۵۰ھ)، امام قشیری (۴۶۵ھ)، امام واحدی (م۴۶۸ھ)، امام بغوی (م۵۱۶ھ)، امام محمود بن عمر زمخشری (م۵۳۸ھ)، امام ابن الجوزی (م۵۹۷ھ)، حسن بن حظیری فارسی (م۵۹۸ھ)، امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ)، ابن اثیر جزری (م۶۰۶ھ)، امام ابومحمد روزبہان (م۶۰۶ھ) اور سبط ابن الجوزی (۶۵۴ھ) وغیرہ شامل ہیں۔

3.4.1.2 عہد عباسی میں تفاسیر کی اقسام

عہد عباسی کی کتب تفاسیر کو بنیادی طور پر دو زمروں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

3.4.1.2.1 تفسیر بالماثور

مذکورہ بالا اصطلاح ان تفاسیر کے لیے استعمال کی جاتی ہیں جن میں قرآنی آیات کی تفسیر و تشریح احادیث نبوی، اقوال صحابہ و تابعین کی روشنی میں کی گئی ہو۔ تفسیر ماثور کی سب سے اہم تفسیر امام محمد بن جریر طبری (م۳۱۰ھ) کی ہے۔ اس تفسیر کا نام ''تفسیر جامع البیان عن آی القرآن'' ہے لیکن مصنف کی نسبت سے ''تفسیر طبری'' کے نام سے زیادہ مشہور و معروف ہے۔ اس تفسیر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اپنی متعدد خصوصیات کی وجہ سے اس جیسی تفسیر نہیں لکھی گئی ہے۔ بقول علامہ سیوطی ابن جریر محض نقل اقوال پر اکتفاء نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کی توجیہ بھی کرتے ہیں اور ان میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی تفسیر کو دیگر تفاسیر کے مقابلہ میں فوقیت حاصل ہے۔

تفسیر طبری کے علاوہ اس زمرہ کی مشہور تفاسیر میں بحر العلوم از ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی (م۳۷۵ھ)، تفسیر ابن عطیہ دمشقی (م۳۸۳ھ)، الکشف و البیان عن تفسیر القرآن از ابواسحٰق ثعلبی (م۴۲۷ھ)، تفسیر ابن ماوردی (م۴۵۰ھ)، تفسیر امام واحدی (م۴۶۸ھ)، معالم التنزیل از حسین بن مسعود فراء بغوی (م۵۱۶ھ)، زادالمسیر في علم التفسیر از حافظ ابن الجوزی (م۵۹۷ھ) اور موجز التاویل عن معجز التنزیل از ابن کامل ہیں۔

3.4.1.2.2 تفسیر بالرائے

اس اصطلاح کا استعمال ان تفاسیر کے لیے کیا جاتا ہے جن میں کسی آیت کی تفسیر و تشریح اپنے قیاس اور رائے کے مطابق کی گئی ہو۔ ان تفاسیر کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال بیان کیے جاتے ہیں۔ جواز اور عدم جواز سے قطع نظر، ان کا جائزہ محض علم و فن کے اعتبار سے لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس نقطۂ نظر کی وجہ سے تفسیر کا دامن بہت ہی متنوع اور قسم قسم کی تفاسیر سے مالا مال نظر آتا ہے جس نے اس فن کو آگے بڑھانے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ بقول پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی ''تفسیر بالرای میں مختلف مکاتیب فکر کی نمائندگی ملتی ہے۔ ان میں عام مفسرین کرام ہیں اور خاص فنون کے ماہرین بھی جیسے فقہ و تصوف وغیرہ۔ مسلم فرقوں میں شیعہ اور معتزلہ مفسرین کی تفاسیر بھی ہیں''۔

تفسیر بالرائے کے زمرہ میں الکشاف کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہ تفسیر محمود بن عمر زمخشری (م۵۳۸ھ) کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ تفسیر عقلی انداز پر مرتب کی جانے والی تفاسیر کا عمدہ نمونہ ہے۔ بقول مقالہ نگار دائرۃ المعارف الاسلامیۃ اردو اس تفسیر میں بلاغت کے نکات اور اعجاز قرآنی کی مختلف جہات کو سوال و جواب کے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس تفسیر میں اسرائیلیات کا ذکر خال خال ہی پایا جاتا ہے۔ لغوی اور نحوی بحثیں قابل قدر ہیں مگر معتزلی طرز فکر کی وجہ سے اس میں تکلف اور تعصب سے کام لیا گیا ہے۔

اس زمرہ کی دوسری اہم تفسیر مفاتیح الغیب ہے۔ اس تفسیر کے مصنف فخر الدین محمد بن عمر رازی (م۶۰۶ھ) ہیں۔ یہ تفسیر ''تفسیر کبیر'' کے نام سے زیادہ مشہور و متداول ہے۔ اس کا شمار فلسفیانہ تفاسیر میں بھی ہوتا ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی کہ تفسیر بالرائے کے زمرہ میں شامل اکثر تفاسیر جیسے أنوار التنزیل و أسرار التاویل از قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی (م۶۸۵ھ) ہیں، مدارك التنزیل از امام نسفی، عبداللہ بن احمد (۷۱۰ھ) وغیرہ عہد عباسی کے بعد لکھی گئی تھیں۔

3.4.1.2.3 دیگر اقسام تفسیر

عہد عباسی میں کی تفاسیر کی فہرست پر نظر ڈالنے یہ اندازہ ہوتا ہے انھیں شیعی، صوفیانہ تفاسیر اور فقہی تفاسیر جیسے زمرات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جیسے تفسیر القرآن از امام تستری (۲۷۳ھ)، حقائق التفسیر از امام سلمی (م۴۱۲ھ)، لطائف الاشارات از امام قشیری (م۴۶۵ھ) اور عرائس البیان از امام ابومحمد روزبہان (م۶۰۶ھ) وغیرہ

3.4.1.3 علم قراءت

اس علم سے وہ علم مراد ہے ''جس میں قرآنی کلمات کے ادا کی کیفیت اور اس میں جو اختلاف ہے وہ بیان کیا جاتا ہے اور اختلاف قراءات کو اس کے ناقلین کی جانب منسوب کیا جاتا ہے تاکہ قرآن مجید میں لفظ اور لہجے کی تحریف کو راہ پانے کا موقع نہ ملے''۔

قرأت قرآنی کو بنیادی طور پر تین قسموں-تحقیق، حدر اور تدویر- میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلی قسم میں قراءت کے حوالہ سے ہر چیز کا مکمل طور دھیان دیتے ہوئے بہت دھیرے دھیرے قراءت کی جاتی ہے۔ دوسری قسم میں قراءت کو تیزی اور روانی سے پڑھا جاتا ہے، جب کہ تیسری قسم میں مذکورہ بالا قراءت کی دونوں قسموں کے مابین توسط اختیار کیا جاتا ہے۔

عہد نبوی سے سے اس علم کا آغاز ہو چکا تھا۔ مشہور قول کے مطابق اس وقت کے مشہور سات عربی لہجات کے مطابق قرآن کا نزول ہوا تھا ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ان لہجات کی تعلیم دی تھی تاہم یہ فن اموی عہد اور عباسی عہد میں جا کر پایۂ تکمیل پر پہنچا تھا۔ پروفیسر محمد رضوان علوی کا یہ کہنا کہ ''ان قرأتوں کے پیدا ہونے کی اصل وجہ عربی رسم الخط کی ناقص نوعیت تھی'' بالکل بے بنیاد اور غلط بات ہے کہ قرأتوں کا اختلاف دراصل لہجات کا اختلاف ہے۔

مشہو سبعہ قراء میں سے تین کا تعلق خالص اموی دور سے تھا۔ اموی دور سے تعلق رکھنے والے قراء کرام میں امام عبداللہ بن عامر یحصبی (۲۱-۱۱۸ھ)، امام عبداللہ بن کثیر داری (۴۵-۱۲۰ھ) اور امام عاصم بن ابی النجو دکوفی (۱۲۷ھ) ہیں جن کے شاگردوں نے اس فن کو عہد عباسی میں پروان چڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔

سبعہ قراء میں تین قراء کرام کا تعلق اموی اور عباسی دونوں ادوار سے ہے کہ انھوں نے اپنی آنکھیں تو اموی دور میں کھولیں لیکن وفات عہد عباسی میں ہوئی تھی۔ دونوں عہد سے تعلق رکھنے والے قراء کرام میں امام ابوعمرو بن العلاء بصری (۶۸-۱۵۴ھ)، امام حمزہ بن حبیب زیات کوفی (۸۱-۱۵۷ھ) اور امام نافع بن عبدالرحمٰن مدنی (نحو ۷۰-۱۶۹ھ) شامل ہیں۔

خالص عباسی عہد سے تعلق رکھنے والے قاری، امام علی بن حمزہ کسائی (م ۱۸۹ھ) تھے۔

مذکورہ بالا سبعہ قراء کی فہرست میں جب امام ابوجعفر یزید بن قعقاع مدنی (م ۱۳۰ھ)، امام ابومحمد یعقوب بن اسحاق حضرمی (م ۲۰۵ھ) اور ابومحمد خلف بن ہشام بن ثعلب بزار بغدادی (م ۲۲۹ھ) کو شامل کر لیا جاتا ہے تو قراء عشرہ کی فہرست مکمل ہو جاتی ہے جن میں صرف امام ابوجعفر یزید بن قعقاع مدنی (م ۱۳۰ھ) کا تعلق اموی دور سے ہے جب کہ باقیماندہ دونوں امامان قرأت کا تعلق عہد عباسی سے ہے۔ علم قراءت کو پروان چڑھانے میں قراء سبعہ/قراء عشرہ کے شاگردوں نے اہم اور نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

فن قراءت پر ایک اہم کتاب کے مؤلف ابوعبید قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ) کے بقول ''قراءت سبعہ'' کی اصطلاح کا چلن دوسری صدی سے عام ہوا تھا ورنہ اس پہلے بہت سی قراء کا ذکر ملتا ہے جن کی جانب کسی نہ کسی قراءت کو منسوب کیا جاتا ہے۔

عہد عباسی میں اس فن پر قلم اٹھانے والوں میں ابوعبید قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ)، خلف بن ہشام، ابن مجاہد (م ۳۲۴ھ)، ابن کامل، ابوطاہر، ابوبکر نقاش، ابوبکر محمد بن حسن، ابومعشر عبدالکریم طبری (م ۴۷۸ھ) ابوالعلاء حسن بن محمد ہمدانی (۵۶۹ھ) اور علی بن محمد بن عبدالصمد سخاوی (م ۶۴۳ھ) جیسے اہل قلم شامل ہیں۔

عہد عباسی میں فن قرأت کی اہم تصانیف میں احتجاج القرأة ازمبرد (م ۲۸۶ھ) الاحتجاج في القراءات ازابوبکر ابن مقسم مقری (م ۳۵۴ھ)، اور البديع في القراءات السبع ازابن خالویہ (م ۳۷۰ھ) کا شمار ہوتا ہے۔

3.4.1.4 علم تجوید القرآن

علم قرأت کے ساتھ ساتھ علم تجوید بھی پروان چڑھتا رہا۔ تجوید کے لغوی معنی ''کسی کام کو بہترین طریقے سے انجام دینا ہے'' اور اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ ''دوران تلاوت قرآن کے الفاظ کی بہترین طریقے سے ادائیگی اور صحت مخارج کے ساتھ قرآن کی تلاوت اس طرح کی جائے کہ حسن ولطف اپنی انتہا کو پہنچ جائیں''۔

علم تجوید فن قرأت کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اور اس کا دائرہ علم قرأت کے مقابلہ میں زیادہ وسیع ہے۔ اس موضوع پر موسی بن عبیداللہ خاقانی بغدادی (م ۳۲۵ھ) نے پہلی کتاب لکھی تھی۔ علی بن محمد سخاوی (م ۶۴۳ھ) نے بھی اس موضوع پر جمال القرّاء وكمال الاقراء نامی کتاب لکھی تھی۔

3.4.1.5 علم اسباب النزول

علم اسباب نزول سے ''وہ علم مراد ہے جس کے ذریعہ یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ فلاں آیت کب اور کس واقعے کے سلسلے میں نازل ہوئی''۔ امام شاطبی نے اس علم کے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''سبب نزول کے معلوم ہو جانے سے قرآن فہمی میں ہر اشکال کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید کے مطالب ومعانی سمجھنے کے لیے یہ علم از بس ناگزیر ہے''

مذکورہ علم پر سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد امام عکرمہ (م ۱۰۷ھ) کے شاگرد نے قلم اٹھایا تھا۔امام سیوطی اور حاجی خلیفہ نے امام بخاری کے استاد امام علی بن عبداللہ مدینی (م ۲۳۴ھ) کو اس فن کا اولین مصنف قرار دیا ہے۔ان کے علاوہ امام علی بن احمد واحدی (۴۲۷ھ) نے ''أسباب النزول ''لکھی تھی۔اس فن پر لکھی جانے والی اہم کتب عہد عباسی کے بعد لکھی گئیں تھیں۔

مذکورہ بالا مستقل کتب کے علاوہ تفسیر بالماثور کے زمرہ سے تعلق رکھنے والی کتب تفاسیر میں بھی آیات کے اسباب نزول کا ذکر کیا گیا ہے۔

3.4.1.6 علم رسم القرآن

علم رسم الخط سے مراد وہ علم ہے جس میں حروف ہجاء کو لکھنے کا طریقہ معلوم کیا جاتا ہے۔ یہ علم بہت وسیع ہے کہ متعدد زبانوں کی وجہ سے رسم الخط کی تعداد بھی متعدد ہو جاتی ہے۔عربی رسم الخط کا موضوع بھی بہت وسیع ہے لہذا یہاں صرف قرآن کے رسم الخط پر ہی روشنی ڈالی گئی ہے۔ بقول اردو دائرۃ المعارف الاسلامیۃ حضرت عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت میں چار صحابہ کی ایک کمیٹی نے قرآن کے نسخوں کے لیے ایک خاص انداز کتابت کو اختیار کیا تھا جسے ''رسم المصحف '' کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ چونکہ یہ رسم الخط خلیفۂ وقت کو بھی پسند تھا لہذا اسی کو ''رسم عثمانی'' یا ''خط عثمانی'' کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا رسم الخط پر مستقل کتب لکھی گئیں ہیں جیسے عنوان الدلیل في رسوم خط التنزیل از امام ابو عباس مراکشی وغیرہ جس میں اس کے فوائد اور خصوصیات وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

علم رسم خط القرآن کے بطن سے خطاطی جیسا فن پروان چڑھا جس کے حسین وجمیل نمونے ہر عہد میں مسلمانوں نے پیش کیے ہیں اور قرآن کریم کی کتابت کے اعلی وعمدہ ترین نمونے پیش کیے۔

3.4.1.6.1 نقطے اور اعراب

رسم الخط کے ضمن میں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ عہد نبوی وعہد صحابہ میں قرآن مجید کو عام طور سے ایک دوسرے سے زبانی طور پر اخذ کیا جاتا تھا لیکن اسلامی فتوحات کے دائرہ کے وسیع ہونے کی وجہ سے قرآن آیات کی ترسیل اور دوسروں تک اسے پہنچانے کے لیے زبانی طریقہ بہت زیادہ قابل عمل نہیں رہا تو اس کے مختلف نسخے تیار کروا کے مختلف اسلامی قلمرو میں مہیا کرائے گئے کہ انھیں کے مطابق قرآن کی تلاوت کی جائے۔ یہ طریقہ بھی کچھ عرصہ کے بعد کافی حد تک ناقابل عمل ہو گیا کہ اسلام کے حلقۂ بگوش میں شامل ہونے والے عجمی افراد کی تعداد بڑھتی ہی چلی جارہی تھی، جوں جوں ان کی تعداد بڑھ رہی تھی توں توں اس بات کا خطرہ بھی بڑھتا چلا جارہا تھا کہ آیات قرآنی میں -نعوذ باللہ- کہیں تحریف کا عمل راہ نہ پا جائے جس کا شکار تمام آسمانی صحائف ہو چکے تھے۔اس خطرہ کو بھانپتے ہوئے اس کے سد باب کے لیے قرآن کریم کے نسخوں پر نقطے اور اعراب لگانے کا فیصلہ کیا گیا۔اس دانشمندانہ قدم کی وجہ سے آج تک قرآن میں سر مو انحراف نہیں پایا جاتا ہے۔

مشہور قول کے مطابق قرآن پر نقطے لگانے کا حکم حجاج بن یوسف (م ۹۵ھ) نے دیا تھا اور اس حکم کے بجالانے والے نصر بن عاصم لیثی (م ۸۹ھ) یا یحیٰی بن یعمر عدوانی (م ۱۲۹ھ) تھے۔نقطے لگانے کے باوجود غلطیوں کا امکان باقی رہ گیا تھا لہذا آیات قرآنی پر اعراب لگانے کا فیصلہ کیا گیا۔ایک قول کے مطابق حضرت علیؓ (م ۴۰ھ) کے حکم پر ابوالاسود دؤلی (م ۶۹ھ) نے اعراب لگانے کا فریضہ انجام دیا تھا جن کی طرف نقط مصحف سے متعلق پہلی کتاب کو منسوب کیا جاتا ہے۔عہد عباسی کے مشہور لغوی خلیل بن احمد بصری نے اس موضوع پر قلم اٹھایا تھا۔

3.4.1.7 علم اعراب ومعانی القرآن

اس علم سے مراد وہ علم ہے جس میں قرآنی الفاظ کے نحوی اور صرفی مسائل کو اجاگر کیا جاتا ہے۔اسی لیے اس علم کو ''علوم لسانیۃ'' سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔اس علم کا بنیادی فائدہ معنی ومفہوم کو متعین کرنا ہے کہ ''اعراب ہی معانی کو ممیّز کرتا اور متکلم کی غرض وغایت کو واضح کرتا ہے''۔ بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف الاسلامیۃ ''معانی القرآن کا لفظ قدما کی اصطلاح میں اعراب، مجاز اصطلاحی کی تاویل اور لفظ غریب کی تشریح وتفسیر سب کو شامل تھا۔یہی وجہ ہے کہ ابوعبیدہ معمر بن مثنی کی کتاب مجاز القرآن کے متعلق السیوطی نے بغیة الوعاة میں تصریح کی ہے وہ غریب القرآن کے موضوع پر ہے''۔اسی طرح مشہور نحوی امام زجاج (م ۳۱۰ھ) کی کتاب معانی القرآن میں قرآن کے اعراب اور معانی دونوں سے بحث کی گئی ہے۔

اعراب ومعانی القرآن پر سب سے پہلے ابوعبیدہ معمر بن مثنی (م ۲۱۰ھ) ہیں۔ان کی کتاب کا نام ''مجاز القرآن '' ہے۔اس موضوع پر سب سے جامع کتاب ابوعبید بن سلام (م ۲۲۴ھ) کی ہے جس میں انھوں متقدمین کی کتابوں کو جمع کرتے ہوئے اس موضوع پر خاطر خواہ اضافہ کیا تھا۔اس موضوع پر لکھی جانے والی دیگر کتب میں امام قطرب ابوعلی محمد بن مستنیر (۲۰۶ھ) کی اعراب القرآن، امام یحیٰی بن زیاد فراء (م ۲۰۷ھ) کی معانی القرآن، کتاب الجمع والتثنیة في القرآن اور کتاب

المصادر في القرآن ،سعید بن مسعدہ (م۲۱۵ھ) کی تفسیر معانی القرآن ،امام لغت مبرد (م۲۸۵ھ) کی ما اتفقت ألفاظه واختلفت معانيه من القرآن ،امام احمد بن جعفر دینوری (م۲۸۹ھ) کی ضمائر القرآن ،امام زجاج، ابواسحاق ابراہیم بن سری (م۳۱۱ھ) کی معاني القرآن واعرابه ،امام نحاس، احمد بن محمد (م۳۳۸ھ) کی اعراب القرآن، ابن قتیبہ دینوری (۲۷۶ھ) کی اعراب القرآن ،امام ابن خالویہ (م۳۷۰ھ) کی اعراب ثلاثين سورة من القرآن العظيم ،علی بن ابراہیم مصری (م۴۳۰ھ) کی اعراب القرآن (دس جلدیں)، ابوحاتم سجستانی کی اعراب القرآن ،عبدالرحمٰن بن محمد انباری (م۵۷۷ھ) کی البيان في غريب اعراب القرآن ،اور ابراہیم بن موسیٰ کرکی شافعی (م۸۵۳ھ) کی اعراب القرآن وغیرہ شامل ہیں۔

اس موضوع پر قلم اٹھانے والے دیگر علماء میں امام ابوعبدالرحمٰن یونس ضبی (م۱۸۲ھ)، امام کسائی (۱۸۹ھ)، امام علی روّاسی وغیرہ کا تعلق بھی عہد عباسی سے ہی تھا۔

3.4.1.8 غریب القرآن

قرآن مجید کے قلیل الاستعمال اور نادر الفاظ کی شرح وتوضیح کے لیے یہ علم معرض وجود میں آیا تھا۔ اس علم کا یک گونہ تعلق علم لغت سے بھی ہے۔ اس موضوع پر قلم اٹھانے والوں میں ابان بن تغلب کوفی (م۱۴۱ھ)، امام فراء کے شاگرد عبداللہ بن یحییٰ یزیدی (م۲۶۰ھ)، ابن قتیبہ دینوری (م۲۷۶ھ) اور محمد بن عزیز سجستانی (م۳۳۰ھ)، احمد بن کامل، امام ادب اصمعی، ابوالحسن ماردینی، ابن درید، ابن سلام، ابوعبیدۃ اور ابن رستم جیسے اہل علم شامل ہیں۔ مذکورہ بالا تمام مؤلفین کی کتابوں کا نام یکساں یعنی غريب القرآن ہے۔

3.4.1.9 علم الناسخ والمنسوخ

اس علم سے مراد وہ علم لیا جاتا ہے جس میں کسی آیت کے ناسخ یا منسوخ ہونے کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ متقدمین ومتاخرین میں سے بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن کی متعدد یا کچھ آیات منسوخ ہو چکی ہیں۔ انھوں نے اس حوالہ سے اپنے افکار وآراء اور خیالات ونظریات کو قلم بند کیا ہے جس نے آگے چل کر علم الناسخ والمنسوخ کا قالب اختیار کر لیا۔ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب میں المصفى بأكف أهل الرسوخ في الناسخ والمسوخ از ابن جوزی (م۵۹۷ھ)، ناسخ القرآن ومنسوخه از ابراہیم حربی، ناسخ القرآن ومنسوخه از ابراہیم کشی، ناسخ القرآن ومنسوخه از ابواسمعیل ترمذی، ناسخ القرآن ومنسوخه از جعفر بن مبشر ثقفی، ناسخ القرآن ومنسوخه از عطا بن مسلم خراسانی، ناسخ القرآن ومنسوخه از کلبی، الناسخ والمنسوخ از ابوبکر بردعی، الناسخ والمنسوخ از ابوبکر حازمی، الناسخ والمنسوخ از جعد شیبانی، الناسخ والمنسوخ از ابوالحسن قمی، الناسخ والمنسوخ از ابن حنبل، الناسخ والمنسوخ از امام سجستانی وغیرہ شامل ہیں۔

3.4.1.10 علم احکام القرآن

اس علم سے مراد وہ علم ہے جس میں قرآن میں وارد ہونے والے شرعی احکام کی تفصیل، تشریح اور توضیح بیان کی جاتی ہے۔ ایک اعتبار سے انھیں قرآن کی فقہی تفاسیر بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب میں أحكام القرآن از ابوثور ابراہیم بن خالد (م۲۴۰ھ)، أحكام القرآن از محمد بن عبداللہ الحکم (م۲۶۸ھ)، أحكام القرآن از داؤد بن خلف اصفہانی (م۲۷۰ھ)، أحكام القرآن از اسمعیل بن اسحاق جہضمی (م۲۸۲ھ)، أحكام القرآن از بکر بن محمد بن علاء (م۳۴۴ھ)، أحكام القرآن از ابن قرطی، محمد بن قاسم (م۳۵۵ھ)، أحكام القرآن از احمد بن ابوبکر جصاص (م۳۷۰ھ)، أحكام القرآن از احمد بن علی باغانی (م۴۰۱ھ) وغیرہ شامل ہیں۔

3.4.1.11 مشکل القرآن

قرآن کریم میں متعدد مقامات ایسے پائے جاتے ہیں جن کے معانی ومفاہیم کی تعیین میں دشواریوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لہذا علماء نے اس موضوع پر بھی قلم اٹھایا ہے اور ان مشکل مقامات ومتشابہ کی توضیح اپنی اپنی کتابوں میں کی ہے۔ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں تأويل مشكل القرآن اور المشتبه من الحديث والقرآن از ابن قتیبہ دینوری (۲۷۶ھ)، مشكل القرآن از ابن انباری، محمد بن قاسم (م۳۲۸ھ) اور مشكل القرآن از داود بن خلف اصفہانی وغیرہ ہیں۔ ان کے علاوہ ابوعبدالرحمٰن سلیمی (م۴۱۲ھ) اور ابوالحسن علی ماوردی (۴۵۰ھ) وغیرہ نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

3.4.1.12 علم المحکم والمتشابہ

قرآن کریم کی آیات میں سے کچھ آیات بالکل واضح اور محکم ہیں ان کی تفسیر وتاویل میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے۔ ان آیات کے بالمقابل کچھ آیات ایسی بھی پائی جاتی ہے جو غیر واضح اور متشابہ ہیں جن کے معانی ومفاہیم کو آسانی سے طے نہیں کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ ان آیات کی وجہ سے قرآن کے ﴿كتاب مبين﴾ ہونے پر

سبعہ قراء میں شامل امام کسائی (م۱۸۹ھ) نے قلم اٹھایا تھا اور علم آیات المتشابہات جیسی کتاب بطور یادگار چھوڑی تھی۔اس موضوع پر لکھی جانے والی دیگر کتب میں الرد على الملحدين في متشابه القرآن ازقُطرب ابوعلی محمد بن مستنیر (م۲۰۶ھ)،متشابه القرآن / الآيات المتشابهات ازمقاتل بن سلیمان،متشابه القرآن ازبشر بن معتمر،متشابه القرآن ازابوالبقاء عکبری،متشابه القرآن ازابوعلی جبائی،متشابه القرآن والحديث(ازالة الشبهات عن الآيات والأحاديث المتشابهات) ازمحمد بن احمد اسعردی اور هداية المرتاب(منظوم) ازعلی بن محمد سخاوی (م۶۴۳ھ) وغیرہ شامل ہیں۔

3.4.1.13 اعجاز القرآن وبلاغۃ/علم بلاغۃ القرآن

قرآن کریم بلاغت وفصاحت کا سب سے اعلی اور عمدہ ترین نمونہ ہے جسے اعجاز و بلاغت کا منتہائے کمال قرار دیا جاتا ہے۔قرآن کی فصاحت و بلاغت کے سامنے عرب جیسی زبان آور قوم بھی کو جیسے چپ سی لگ گئی تھی اور وہ اس کے سحر میں گرفتار ہو کر رہ گئے۔اپنی زبان دانی پر ناز اور فخر کے بعد بھی وہ باوجود کوشش کے قرآن کریم کی مختصر سی مختصر آیت کی مثال نہ پیش کر سکے اور اپنے عجز و تقصیر کا برملا اعتراف کر لیا۔قرآن کریم کے اعجاز کی وجوہ میں بلاغت کو سب سے بڑی وجہ قرار دیا جاتا ہے۔علماء نے قرآنی بلاغت کے طرق ووجوہ اور اس کے نادر و یکتا انداز تعبیر کو اجاگر کرنے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور اسے علم اعجاز القرآن کے نام سے موسوم کیا ہے۔بلاغت قرآنی کو مکمل طور پر اجاگر کرنے کے لیے علم البيان،علم المعانی اور علم البديع جیسے علوم وفنون پروان چڑھے اور متقدمین علماء نے ان موضوعات پر کتابوں کے انبار لگا دیے۔قرآنی بلاغت وفصاحت کے موضوع پر لکھی جانے والی اہم کتب میں نظم القرآن از جاحظ (م۲۵۵ھ)،اعجاز القرآن ازمحمد بن عمر بن سعید باہلی (م۳۰۰ھ)،اعجاز القرآن في نظمه وتأليفه ازمحمد بن زید واسطی (م۳۰۷ھ)،النكت في اعجاز القرآن ازابوالحسن علی بن عیسی رمانی (م۳۸۴ھ)،بيان اعجاز القرآن ازخطابی (م۳۸۸ھ)،اعجاز القرآن ازقاضی ابوبکر باقلانی (م۴۰۳ھ)،دلائل الاعجاز اور اسرار البلاغة ازعبدالقاہر جرجانی (م۴۷۱ھ) اور اعجاز القرآن ازفخر الدین رازی (م۶۰۶ھ) وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔

علوم قرآنی میں شامل ''علم نظم القرآن'' کا یک گونہ تعلق ''علم اعجاز القرآن'' سے بھی لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کا ذکر بھی یہیں کر دیا جائے۔قرآن کے نظم پر لکھی جانے والی کتب میں جاحظ کی نظم القرآن کے علاوہ نظم القرآن ازامام بلخی،نظم القرآن ازحسن بن علی طوسی اور نظم القرآن ازامام بجستانی جیسی کتابیں شامل ہیں۔

3.4.1.14 علم الوقف والابتداء (المقطوع والموصول)

اس موضوع پر سب سے پہلے قراء سبعہ میں سے عبداللہ بن عامر یحصبی (م۱۱۸ھ) نے قلم اٹھایا تھا۔ان کی کتاب کا نام مقطوع القرآن وموصوله ہے۔اس موضوع پر لکھی جانے والی دیگر کتب میں مقطوع القرآن وموصوله ازکسائی (م۱۸۹ھ)،ايضاح الوقف والابتداء ازابن انباری،محمد بن قاسم (م۳۲۸ھ)،الآلة في معرفة الوقف والامالة وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

3.4.1.15 علم امثال القرآن

اس علم کا شمار علوم القرآن کے اہم علوم میں ہوتا ہے۔اس موضوع پر کئی کتابوں کا پتہ مصادر سے چلتا ہے جیسے أمثال القرآن ازعلی بن حسین بن جنید (م۲۹۱ھ)، أمثال القرآن ازجنید بن محمد خزاز (م۲۹۸ھ)،أمثال القرآن ازنطفویہ،الأمثال الكامنة في القرآن ازحسن بن عبدالرحمٰن قضاعی،الأمثال الكامنة في القرآن ازحسن بن فضل وغیرہ شامل ہیں۔

3.4.1.16 علم لغات القرآن

قرآن کریم کے زیر اثر پروان چڑھنے والے علوم میں علم لغت بھی ہے۔قرآن کے مفردات کے معانی سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے علم لغت جیسا فن وجود میں آیا تھا جس نے آگے چل عربی زبان کے مکمل الفاظ کے معانی کو بیان کرنے کا فریضہ انجام دیا تھا۔یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مجید کے مشکل اور نادر الفاظ کے معانی ومطالب کا سلسلہ تو عہد نبوی سے شروع ہو چکا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس کے بیان کردہ قرآنی الفاظ کے معانی ومطالب کا ذکر تفاسیر وکتب حدیث میں ملتا ہے۔مذکورہ موضوع پر سب سے پہلے ہیثم بن عدی کوفی (م۲۰۷ھ) نے کتاب لکھی تھی۔ان کے بعد مشہور نحوی سیبویہ کے استاد ابوزید سعید بن اوس انصاری (م۲۱۵ھ)،فراء، اصمعی،محمد بن یحییٰ قطیعی وغیرہ نے بھی لغات القرآن کے عنوان سے کتابیں لکھی تھیں۔ان کے علاوہ مصادر اس موضوع پر کچھ اور کتابوں کا بھی ذکر کرتے ہیں جیسے معاني القرآن ازیونس بن حبیب (م۱۸۲ھ)، معانی القرآن ازمؤرج بن عمرو سدوسی (م۱۹۵ھ)،لغات القرآن ازمحمد بن یحییٰ بصری،ما اتفقت الفاظه واختلفت معانيه في القرآن ازمبرد،ما اتفقت ألفاظه ومعانيه في القرآن ازابوعمرو دوری،مفردات القرآن ازراغب اصفہانی

اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب میں ان کتابوں کو بھی ایک لحاظ سے شامل کیا جاسکتا ہے جو غریب القرآن کے عنوان سے لکھی گئی ہیں۔ اسی طرح کتب تفاسیر میں بھی قرآنی الفاظ کے معانی ومفاہیم کو بیان کیا گیا ہے۔ عام کتب لغات میں بھی قرآنی الفاظ کے معانی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دیگر علوم قرآنی میں علم حروف القرآن، علم اجزاء القرآن، علم اقسام القرآن، علم مصادر القرآن، علم سجود القرآن، علم ضمائر القرآن، علم المکی والمدنی جیسے المكي والمدني من القرآن واختلاف المكي والمدني في آية از ابوعبداللہ محمد شریح ابن احمد مقری جیسے موضوعات پر بھی عہد عباسی میں کتابیں لکھی گئی تھی۔

علوم القرآن کی بحث کو ختم کرنے سے قبل اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ علوم القرآن میں کچھ علوم ایسے ہیں جن کا تعلق براہ راست قرآن سے تھا جن میں سے بعض کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا جاچکا ہے۔

علوم القرآن کے علوم کی دوسری قسم ان علوم پر مشتمل ہے جن کا تعلق براہ راست قرآن سے نہیں تھا لیکن وہ بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف الاسلامیۃ ''قرآن مجید کے زیر اثر ارتقاء پذیر ہوئے اور مسلمانوں نے اپنی مخصوص دینی ثقافت، قومی مزاج اور ذہانت وفطانت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ان علوم کو چار چاند لگا دیے مثلاً تاریخ، جغرافیہ اور سیر وسوانح وغیرہ''۔ ان علوم کا ذکر ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

3.4.2 حدیث اور علوم حدیث

قرآن کریم کے بعد احادیث نبوی کے موضوع پر بھی متقدمین نے کثرت سے لکھا ہے۔ احادیث اور اس کے متعلقہ علوم پر متقدمین علماء نے ایک قابل ذکر اور معتد بہ ذخیرہ بطور یادگار چھوڑا ہے جس کا معتد بہ حصہ عہد عباسی کے عطایا ودَین پر مشتمل ہے۔ علم حدیث کے جلو میں دیگر علوم وفنون بھی چڑھے تھے۔ پروفیسر عبدالقیومؒ نے دیگر علوم پر علم حدیث کے اثرات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: ''علم حدیث کے زیر اثر شوق مشاہدہ اور علمی سیر وسفر کی تحریک کو بڑی تقویت نصیب ہوئی۔ اس فن سے فن جغرافیہ، فن مشاہدۂ عجائبات، فن تاریخ، فن انساب وقبائل، فن سیر وسوانح، اور مختلف فنون لسانی، فن تشخیص کردار، فن قیافہ، علم البشر اور علم احوال اجتماعی جیسے فنون کے لیے راستہ ہموار ہوا۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کے مختلف بیاناتِ تاریخی وجغرافیائی کی تشریح کا موقع ملا اور مختلف ممالک کے باشندوں کی عادات ورسوم کا علم حاصل ہوا''۔

علم حدیث کو بنیادی طور پر دو شاخوں- علم روایت اور علم درایت- میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ علم روایت کی ابتداء کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب مروی احادیث نبوی کی تعداد بہت بڑھ گئی اور اس میں ربط ویا بس مواد شامل کیا جانے لگا تو حدیث نبوی کی صحت کو جانچنے، پرکھنے اور مختلف فیہ مسائل کو سمجھنے کے لیے کچھ اصول وضوابط بنائے گئے۔ ان میں سے کچھ اصولوں کا تعلق احادیث کی اسناد سے تھا کہ صرف وہی احادیث قابل اعتبار قرار پائیں گی جس میں سند کا غیر منقطع سلسلہ موجود ہوگا۔ ان اصول وضوابط کو ''علم روایت'' یا ''علم اسناد'' سے موسوم کیا گیا۔ علم روایت کے بطن سے علم اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن وجود میں آیا جس کی نظیر کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتی ہے۔

اصول وقواعد کی دوسری قسم کا تعلق احادیث کے مختلف پہلوؤں سے تھا۔ ان جملہ اصول وضوابط کو ''علم درایت'' یا ''علم اصول الحدیث'' کا نام دیا گیا۔ علم درایت 'ایسے قوانین ومباحث کا مجموعہ ہے جس کی روشنی میں راوی کے ثقہ ہونے یا نہ ہونے، صحیح یا کمزور اور مقبول یا مردود ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ گویا یہ کہا جاسکتا ہے علم درایت، کسی روایت کے مطلب ومضمون کی عقلی تنقید کا نام ہے'۔

یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ علوم حدیث کے اکثر علوم جیسے علم الجرح والتعدیل، علم مختلف الحدیث اور علم علل الحدیث وغیرہ کا تعلق علم درایت سے ہی ہے۔

درج ذیل سطور میں حدیث اور علوم حدیث سے متعلق ان علمی کوششوں وکاوشوں کا مختصراً ذکر کیا جارہا ہے جو عہد عباسی کی مرہون منت ہیں۔

3.4.2.1 تدوین احادیث کے ادوار

اردو دائرۃ المعارف الاسلامیۃ کے مقالہ نگار نے حدیث اور اس کے علوم کو سات ادوار میں تقسیم کیا ہے:

۱- عہد صحابہ سے قرن اول تک

۲- دوسری صدی ہجری جس میں احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو چکا تھا تاہم تدوین کا عمل شروع نہیں ہوا تھا۔

۳- تیسری صدی ہجری تا چوتھی صدی کا نصف اول۔ اس عہد میں حدیث سے متعلق کئی علوم سامنے آئے تھے اور علم حدیث ایک خاص فن بن گیا تھا۔

۴- چوتھی صدی کے نصف آخر تا اوائل ساتویں صدی۔ اس مدت میں علوم حدیث نے بہت زیادہ ترقی کر لی تھی اور فن کے معراج پر پہنچ گئے تھے۔ اسی عہد میں المحدث الفاصل بين الراوي والواعي از امام رامہرمزی (م۳۶۰ھ)، الكفاية في قوانين الرواية اور الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع از خطیب بغدادی، احمد بن علی (م۴۶۳ھ) اور معرفة علوم الحديث از امام حاکم نیسا پوری (م۴۰۵ھ) جیسی اہم کتب مرتب کی گئیں تھیں۔ اول الذکر کتاب کو علم اصول حدیث کی

اولین کتاب قرار دیا جاتا ہے۔

۵- پانچویں صدی ہجری سے لے کر دسویں صدی ہجری تک۔ اس عہد میں جرح وتعدیل کا فن بامِ عروج پر پہنچتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس عہد کی علمی عطایا و دین میں ابن الصلاح کی ''علوم الحديث'' معروف بہ مقدمة ابن الصلاح جیسی بلند پایہ کتاب بھی شامل ہے۔

۶- گیارہویں صدی تا تیرہویں صدی۔ اس عہد کو تقلید کا دور کہا جاتا ہے کہ اس میں اجتہاد کا خاتمہ ہو چکا تھا اور قدماء کی کتابوں کو سامنے رکھ کر کتابیں لکھی جا رہی تھیں۔

۷- چودھویں صدی وما بعد۔ اس عہد میں مستشرقین اور مغربی علماء نے حدیث کی حجیت پر شک وشبہ کا اظہار کیا تھا جس کا کافی وشافی جواب دیا گیا تھا۔ اس عہد کو درایت کا نیا دور کہا جا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا تمام ادوار میں سے پہلا اور آخری دور مکمل طور پر اور دوسرا اور چھٹا دور جزوی طور پر اس سبق کے دائرہ میں شامل نہیں ہے۔ حسب ذیل سطور میں باقیماندہ ادوار میں حدیث کے ارتقائی مراحل کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

ان ادوار پر سرسری نظر ڈالنے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ حدیث کی تدوین کا آغاز عہد نبوی میں ہی ہو چکا تھا جس کا ایک اہم نمونہ ڈاکٹر حمید اللہ علیہ الرحمہ کی کوششوں سے منظر عام پر آ چکا تھا۔ اولیں مجموعۂ احادیث ''صحيفة همام بن منبه'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ خلافت راشدہ اور عہد اموی میں تدوین کے عمل کا آغاز ہو چکا تھا تاہم احادیث کے تمام اہم مجموعے عہد عباسی میں ہی مرتب کیے گئے تھے اور انھیں مرتب کرنے میں بہت ہی محنت شاقہ اور دقت نظری سے کام لیا گیا تھا۔

تدوین حدیث کی تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ احادیث کو مرتب اور مدون کرنے کے لیے مختلف طریقۂ کار کو بروئے کار لایا گیا تھا جن کا بنیادی مقصد احادیث کی حفاظت تھی۔ احادیث کے ابتدائی مجموعے موضوع ومضمون کی بجائے راویوں کے اعتبار سے مرتب کیے گئے تھے۔ بعد میں انھیں تسہیل وتفہیم کی ضرورتوں کے پیش نظر مضامین ومطالب کے اعتبار سے کیا گیا تھا۔

3.4.2.2 عہد عباسی میں مرتب کردہ مجموعۂ احادیث

تقریباً پورے عہد عباسی میں احادیث کے مجموعے مرتب کیے جاتے رہے ہیں اور حدیث کے مختلف پہلوؤں پر اہل قلم اپنی اپنی تصانیف قلم بند کرتے رہے ہیں۔ عہد عباسی کے تمام ادوار میں تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی اس لحاظ سے ممتاز ترین قرار دی جا سکتی ہے کہ اسی صدی میں احادیث کے تمام اہم مجموعوں خصوصاً صحاح ستہ کو مرتب کیا گیا تھا۔ عہد عباسی میں حدیث کے مجموعوں کو مختلف جہات سے مرتب کیا گیا تھا جن کی مناسبت سے انھیں مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے:

3.4.2.2.1 الجامع الصحيح

اس اصطلاح کا اطلاق ان مجموعۂ احادیث پر کیا جاتا ہے جن میں صرف ان احادیث کو جمع کیا گیا ہے جو درایت اور روایت کے اصول ومعیار پر مکمل اترتی ہیں۔ ان مجموعوں میں جگہ پانے والی احادیث، ظن غالب کی بنا پر صحیح قرار دی جاتی ہیں۔ ایسے مجموعوں کو ''الجامع الصحيح'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان مجموعوں میں امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری (م ۲۵۶ھ)، امام مسلم بن حجاج قشیری (م ۲۶۱ھ) کے مرتب کردہ مجموعے زیادہ وقیع اور اہمیت کے حامل ہیں جنھیں ''الصحيحين'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کہ ان میں ''صرف وہ حدیثیں درج ہیں جو بالکل صحیح تسلیم کی گئی ہیں''۔

صحیحین کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی صحیح احادیث کے مجموعہ تیار کیے تھے جنھیں ان کے مرتبین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جیسے صحيح ابن خزيمة (م ۳۱۱ھ)، صحيح ابي عوانة (م ۳۱۶ھ) اور صحيح ابن حبان البستي (م ۳۵۴ھ) وغیرہ۔

3.4.2.2.2 السنن

کچھ محدثین نے صحیح احادیث کے ساتھ دوسری اقسام کی احادیث جیسے حسن احادیث وغیرہ کو بھی اپنے اپنے مجموعوں میں جگہ دی تھی جن کا مقام ومرتبہ صحیح حدیث سے کچھ کم اور فروتر ہوتا ہے لیکن انھیں غلط نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایسے مجموعۂ احادیث کو ''السنن'' کہا جاتا ہے۔ اس زمرہ میں امام ابوداؤد، سلیمان بن اشعث (م ۲۷۵ھ)، امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (م ۲۷۹ھ)، امام احمد بن شعیب نسائی (م ۳۰۳ھ) اور امام ابن ماجہ، محمد بن یزید (م ۲۷۳ھ) کی کتب احادیث کو اعتبار کا درجہ حاصل ہے۔

مذکورہ بالا سنن اربعہ، جن کا شمار صحاح ستہ میں کیا جاتا ہے، کے علاوہ دیگر مجموعے بھی سنن کے نام سے مرتب کیے گئے تھے جیسے سنن الدارمی (م ۲۵۵ھ)، سنن الدارقطنی (م ۳۸۵ھ)، السنن الكبيرة اور السنن الصغيرة از امام بیہقی (م ۴۵۸ھ) وغیرہ۔

3.4.2.2.3 المسند/المسانيد

اس اصطلاح کا استعمال ان مجموعۂ احادیث کے لیے کیا جاتا ہے جن میں احادیث اور اقوالِ نبوی کو راویوں کے اعتبار سے کو جمع کیا گیا تھا۔ احادیث کے ابتدائی

مجموعوں کو ''المسند / المسانید'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ عام طوران مجموعۂ احادیث کوان کے مرتب کرنے والے سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے مجموعے عہد عباسی سے قبل بھی مرتب کیے جا چکے تھے۔ عہد عباسی کی اہم مسانید میں مسند ابوداؤد طیالسی (م۲۰۳ھ)، مسند اسد بن موسی اموی (م۲۱۲ھ)، مسند عبیداللہ بن موسی بغدادی (م۲۱۳ھ)، مسند مسدد بن مسرہد بصری (م۲۲۸ھ)، مسند نعیم بن حماد خزاعی مصری (م۲۲۹ھ)، مسند اسحاق بن راہویہ (م۲۳۸ھ)، مسند ابن ابی شیبہ (م۲۳۹ھ)، مسند احمد بن حنبل (م۲۴۱ھ)، مسند احمد بن منیع (م۲۴۴ھ)، مسند امام بزار (م۲۹۲ھ)، مسند ابن حبان (م۳۵۴ھ) اور مسند الخوارزمی از احمد بن محمد برقانی (م۴۲۵ھ) وغیرہ شامل ہیں۔

3.4.2.2.4 المصنف

مسند کے مقابلہ میں دیگر مجموعۂ احادیث کو مصنف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کہ انھیں احادیث کے مضمون کے اعتبار سے ابواب کی شکل میں مرتب کیا گیا تھا۔ اس قسم کے مجموعہ کو پہلی مرتبہ امام عبدالرزاق صنعانی (م۲۱۱ھ) نے مرتب کیا تھا جسے مصنف عبدالرزاق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان کے بعد ابن ابی شیبہ (م۲۳۵ھ) نے ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جسے علمی دنیا میں مصنف ابن ابی شیبة سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ امام طحاوی (م۳۴۰ھ) نے بھی ''المصنف'' کے نام سے ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔ صحاح ستہ کا شمار بھی احادیث کے اسی زمرہ احادیث ''مصنف'' میں ہوتا ہے کہ ان میں بھی احادیث کو موضوع کے اعتبار سے مختلف ابواب کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔

3.4.2.3 عہد عباسی کا سرمایۂ حدیث

عہد عباسی میں حدیث اور اس کے علوم سے متعلق مرتب کی جانے والی کتب وتصانیف کی ایک طویل فہرست ہے جس کا ان صفحات میں استیعاب نہیں کیا جا سکتا ہے تاہم ضروری اور اہم کتب احادیث کی ایک نامکمل فہرست حسب ذیل درج کی جا رہی ہے:

امام مالک بن انس (م۱۷۹ھ) کی کتاب المؤطا، عبدالرزاق بن ہمام (م۲۱۱ھ) کی الجامع الکبیر اور المصنف، امام اسحاق بن راہویہ (م۲۳۸ھ) کی المسند، ابن ابی شیبہ (م۲۳۹ھ) کی المسند، امام احمد بن حنبل (م۲۴۱ھ) کی المسند، کتاب الزھد اور الجرح والتعدیل وغیرہ، امام محمد بن اسماعیل بخاری (م۲۵۶ھ) کی الجامع الصحیح المعروف بصحیح البخاری، الأدب المفرد، التاریخ الکبیر، التاریخ الصغیر اور کتاب الضعفاء، امام مسلم بن حجاج (م۲۶۱ھ) کی الجامع الصحیح، المسند الکبیر، الجامع، الکنی و الأسماء، أوھام المحدثین، طبقات التابعین اور کتاب العلل وغیرہ، امام ابن ماجہ، محمد بن یزید (م۲۷۳ھ) کی کتاب السنن، امام ابوداؤد، سلیمان بن اشعث (م۲۷۵ھ) کی کتاب السنن اور کتاب المراسیل، امام محمد بن عیسی ترمذی (م۲۷۹ھ) کی الجامع الالکبیر (صحیح الترمذي / سنن الترمذي)، الشمائل النبویة اور کتاب العلل وغیرہ، امام ابن خیثمہ (م۲۷۹ھ) کی تاریخ ابن خیثمة، امام احمد بن علی نسائی (م۳۰۳ھ) کی کتاب السنن، المجتبی اور الضعفاء والمتروکون، امام ابویعلی، احمد بن علی (م۳۰۷ھ) کی کتاب المعجم، المسند الکبیر اور المسند الصغیر، امام ابن خزیمہ، محمد بن اسحاق (م۳۱۱ھ) کی صحیح ابن خزیمة، امام محمد بن احمد طحاوی (م۳۴۰ھ) کی المصنف، امام محمد بن حبان بستی (م۳۵۴ھ) کی صحیح ابن حبان، کتاب الثقات اور کتاب التابعین، امام سلیمان بن احمد طبرانی (م۳۶۰ھ) کی المعجم الکبیر، المعجم الأوسط اور المعجم الصغیر، امام احمد بن عبداللہ عجلی (م۳۶۱ھ) کی کتاب الثقات، امام ابن عدی (۳۶۵ھ) کی الکامل، امام علی بن عمر دارقطنی (م۳۸۵ھ) کی سنن الدرقطني، ابن شاہین بغدادی، عمر بن احمد (م۳۸۵ھ) کی کتاب السنة یا المسند، تاریخ أسماء الثقات اور معجم الشیوخ وغیرہ، ابن مندہ، محمد بن اسحاق (م۳۹۵ھ) کی معرفة الصحابة اور فتح الباب في الکنی والألقاب، امام حاکم نیشاپوری (م۴۰۵ھ) کی المستدرک اور معرفة علوم الحدیث، امام احمد بن حسین بیہقی (م۴۵۸ھ) کی السنن الکبری، السنن الصغری، دلائل النبوة، معرفة السنن والآثار اور الجامع المصنف في شعب الایمان وغیرہ، امام خطیب بغدادی، احمد بن علی (م۴۶۳ھ) کی الکفایة في أصول الروایة، الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع، الفوائد المنتخبة، شرف أصحاب الحدیث، الرحلة في طلب الحدیث، الأسماء والألقاب، السابق والالحق في تباعد ما بین وفاة الراویین عن شیخ واحد اور کتاب المتفق والمفترق، امام ابن ماکولا علی بن ہبۃ اللہ (م۴۷۵ھ) کی الاکمال اور تکملة الاکمال، امام محمد بن طاہر مقدسی (م۵۰۸ھ) کی الجمع بین رجال الصحیحین، امام حسین بن مسعود فراء بغوی (۵۱۰ھ) کی شرح السنة، مصابیح السنة اور الجمع بین الصحیحین، امام ابن جوزی، عبدالرحمٰن بن علی (م۵۹۷ھ) کی جامع المسانید والألقاب، الناسخ والمنسوخ، کتاب الضعفاء والمتروکین، أسماء الضعفاء والواضعین، الموضوعات في الأحادیث المرفوعات اور شرح مشکل الصحیحین، امام عبدالغنی مقدسی (م۶۰۰ھ) کی الکمال في أسماء الرجال، امام ابن اثیر، مبارک بن محمد (م۶۰۶ھ) کی جامع الأصول في أحادیث الرسول، النھایة، الشافي في شرح مسند الشافعي، تجرید أسماء الصحابة اور منال الطالب في شرح طوال الغرائب، امام ابن اثیر، علی بن محمد (م۶۳۰ھ) کی اسد الغابة في معرفة الصحابة، امام ابن الصلاح (م۶۴۳ھ) کی کتاب مقدمة ابن الصلاح

3.4.2.3.1 عہدعباسی کا شیعی سرمایۂ حدیث

عصرعباسی میں شیعی نقطۂ نظر سے احادیث کے مجموعے بھی مرتب کیے گئے تھے جن میں الکافي ازمحمد بن یعقوب کُلینی (م ۳۲۸ھ)، من لا یحضرہ الفقیہ ازمحمد بن علی بن بابویہ قُمّی (م ۳۸۱ھ)، تھذیب الاحکام اور الاختصار فیما اختلف فیہ الاخبار (بقول زرکلی الاستبصار فیما اختلف فیہ من الاخبار) ازمحمد بن حسن طوسی (م ۴۵۹ھ) اور نھج البلاغۃ از شریف رضی، محمد بن حسین (م ۴۰۶ھ) وغیرہ۔ مؤخرالذکر کتاب کے مرتب کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مشہور قول کے مطابق اسے شریف رضی نے ہی مرتب کیا تھا۔ ایک قول کے مطابق اسے شریف رضی کے بھائی علی بن طاہر شرف مرتضی نے مرتب کیا تھا۔

عصرعباسی میں حدیث اور اس کے علوم کی ترقی وترویج پر مجموعی تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے لکھا ہے: ''حدیث کی کتابوں کی تالیف کا اصل زمانہ چوتھی صدی ہجری کے بعد ختم ہوگیا۔ اس عہد تک راویوں کی روایات سن کر جمع کرنا، سندوں کی جانچ پڑتال اور ان کے درجات ومراتب کو متعین کرنا اور صحیح حدیث کو سقیم احادیث سے ممتاز کرنا اس صدی کے ساتھ انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ بعد کی صدیوں میں اجتہادی روح مردہ ہوگئی تھی اور تقلیدی کام شروع ہوگئے۔ اس دور تقلید میں پہلے کی کتابوں کی یا تو تہذیب وترتیب کی گئی یا ادھر ادھر بکھری ہوئی روایات کو جمع کیا گیا، یا ابتدائی کتابوں سے انتخاب کیا گیا یا ان کی تشریح وحاشیہ نگاری کی گئی لیکن یہ کتابیں بھی فن حدیث کی اہم کتابیں ہیں اگرچہ ثانوی درجہ کی ہیں''۔

3.4.3 علوم الحدیث

قرآن کی طرح حدیث کے بطن سے پروان کچھ علوم پروان چڑھے تھے جنھیں علوم الحدیث کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کہ ان کا تعلق براہ راست حدیث نبوی سے ہی ہے۔ درج ذیل سطور میں اختصار کے ساتھ ان علوم کا تعارف کرایا جارہا ہے۔

3.4.3.1 علم اسماء الرجال/علم رجال الحدیث

احادیث کی صحت وسقم وضعف وغیرہ کو جانچنے اور پرکھنے کے کچھ اصول وضوابط بنائے گئے تھے جن میں سے کچھ کا تعلق ''علم روایت'' سے تھا تو کچھ کا تعلق ''علم درایت'' سے تھا۔ راویوں کے ثقہ ہونے یا نہ ہونے کے لیے چند رہنما اصول مقرر کیے گئے جس کے نتیجہ میں اسماء الرجال جیسا فن وجود میں آیا جس کی نظیر آج تک کسی اور مذہب وملت کے پیروکار پیش نہ کرسکے۔

حدیث نبوی وسیرت نبوی کے جلو میں اسماء الرجال جیسا عظیم الشان علم پروان چڑھا تھا کہ اہل علم حضرات کو اس ضرورت کا احساس ہوا کہ صحتِ روایت کے لیے راویوں کے حالات زندگی اور ان کی دینی واخلاقی حیثیت کے متعلق بھی معلومات فراہم کی جائیں تاکہ ان کی مرویات کی درجہ بندی ہوسکے۔ اس احساسِ ضرورت نے اسماء الرجال جیسے علم کو کچھ اس طرح پروان چڑھایا کہ ہزاروں اشخاص کے حالات زندگی محفوظ ہوگئے۔

اس علم میں راویان احادیث کو بحیثیت ''راوی حدیث'' جائزہ لیا جاتا ہے۔ اسی علم کو فن رجال الحدیث بھی کہا جاتا ہے۔ اس علم کی ذیلی شاخیں بھی ہیں جیسے طبقات رواۃ، علم جرح وتعدیل وغیرہ۔ ان موضوعات پر علماء نے اس قدر لکھا ہے کہ وہ ایک مستقل علم بن گئے تھے۔

اسماء الرجال کا فن خالص مسلمانوں کا ایجاد کردہ ہے۔ اس فن میں راویان احادیث کے اسماء، القاب، مختصر حالات زندگی، اخلاق واوصاف، روایت حدیث میں ان کے مقام ومرتبہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ راویان احادیث کے حالات زندگی کو اکٹھا کرنے میں اس فن کے ماہرین نے خاصی مشقت اٹھائی تھی۔ ایک ایک راوی کے حالات زندگی سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے وہ قریہ قریہ گئے تھے، مختلف شہروں کی خاک چھانی تھی، حاصل شدہ معلومات کو مختلف اعتبار سے جانچا اور پرکھا تھا جب تب جاکر اسماء الرجال جیسا فن وجود میں آیا اور اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب وتصانیف میں ہزاروں افراد کے حالات زندگی کو محفوظ کردیا گیا۔ مستشرقین عام طور سے مسلمانوں کے کارناموں کا کھل کا اعتراف نہیں کرتے ہیں لیکن اس فن میں وہ ان کی تندہی اور جانفشانی کا اعتراف کیے نہ رہ سکے کہ اس جیسا فن کسی نے بھی ایجاد نہیں کیا تھا۔ اس ضمن میں مشہور مستشرق اسپرنگر/ شپرنگر کے قول نے سند کا درجہ اختیار کرلیا ہے۔ ان کا قول ہے ''دنیا میں نہ کوئی قوم ایسی گزری ہے، نہ آج تک موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو''۔

فن اسماء الرجال خالص عہد عباسی کی پیداوار ہے۔ اس فن پر پہلی کتاب ابوسعید یحییٰ بن سعید بن فروخ (م ۱۹۸ھ) کی جانب منسوب کی جاتی ہے۔ سوئے اتفاق سے یہ کتاب محفوظ نہ رہ سکی۔ اس فن پر امام بخاری (م ۲۵۶ھ) کی التاریخ الکبیر، التاریخ الصغیر اور کتاب الضعفاء کا شمار اہم کتابوں میں ہوتا ہے کہ انھوں نے پہلی مرتبہ بطور علم اس موضوع پر قلم اٹھایا تھا۔ اس فن میں امام مسلم (م ۲۶۱ھ) کی کتاب کا نام کتاب المفردات والوحدان ہے۔ انھوں نے طبقات تابعین پر بھی ایک کتاب بطور یادگار چھوڑی ہے۔ امام مسلم کے معاصر احمد بن عبداللہ عجلی (م ۲۶۱ھ) نے کتاب الجرح والتعدیل لکھی۔ امام نسائی (م ۳۰۳ھ) کی کتاب الضعفاء والمتروکین کا شمار بھی

اس فن کی اہم کتابوں میں ہوتا ہے۔امام دارقطنی (م۳۸۵ھ) نے بھی ضعیف راویوں کے حالات پر ایک اہم کتاب بطور یادگار چھوڑی ہے۔

اس فن کی دیگر کتب وتالیفات میں ابن سعد (۲۳۰ھ) کی الطبقات الكبرى ،ابن خیثمہ (م۲۷۹ھ) کی تاريخ ابن خيثمة ،امام نسائی کی (۳۰۳ھ) کی التمییز اور تاريخ الضعفاء ،ابن جارود (م۳۰۷ھ) کی الأحاد في الصحابة ، محمد بن احمد دولابی (م۳۱۰ھ) کی کتاب الاسماء والکنی ،ابن ابی حاتم کی الجرح والتعدیل ،عثمان بن السکن (م۳۵۳ھ) کی کتاب الحروف في الصحابة ،ابن حبان (م۳۵۴ھ) کی کتاب التابعین ،کتاب المراسیل اور کتاب الکنی ،امام دارقطنی (م۳۸۵ھ) کی المختلف والمؤتلف في أسماء الرجال ،احمد بن محمد کلاباذی (م۳۹۸ھ) کی أسماء رجال صحيح البخاری جس کے مختلف نام مصادر میں ملتے ہیں: الكلام على رجال البخاری / الارشاد في معرفة رجال البخاری / الهداية والارشاد في معرفة أهل الثقة والسداد ،عبدالغنی بن سعید ازدی (م۴۰۹ھ) کی المؤتلف ولمختلف في أسماء نقلة الحديث اور مشتبه النسبة ،ابن الطحان ،یحییٰ بن علی (م۴۱۶ھ) کی المختلف والمؤتلف ،ابن منجویہ ،احمد بن علی (م۴۲۸ھ) کی رجال صحيح مسلم ،امام بیہقی (م۴۵۸ھ) کی کتاب الأسماء والصفات ،خطیب بغدادی ،احمد بن علی (م۴۶۳ھ) کی المتفق والمفترق ،المؤتلف تكملة المختلف ،ابن ماکولا (م۴۷۵ھ) کی الاكمال في المختلف والمؤتلف من أسماء الرجال ،محمد بن احمد ابووردی (م۵۰۷ھ) کی المختلف والمؤتلف ،محمد بن طاہر مقدسی (۵۰۸ھ) کی الجمع بين رجال الصحيحين ،ابن مندہ (م۵۱۱ھ) کی ذكر من عاش من مائة وعشرين سنة من الصحابة ،ابن الجوزی (۵۹۷ھ) کی کتاب الضعفاء والمتروكين اور أسماء الضعفاء والوضعين ،حافظ عبدالغنی مقدسی (م۶۰۰ھ) کی الكمال في أسماء الرجال ،ابن اثیر جزری ،علی بن محمد (م۶۳۰ھ) کی اسد الغابة في معرفة الصحابة ،ابن نجار بغدادی (م۶۴۳ھ) کی الكمال في معرفة الرجال وغیرہ شامل ہیں۔

3.4.3.2 علم الجرح والتعدیل

علم الجرح والتعدیل کا شمار علم اسماء الرجال کی فروعات میں ہوتا ہے جس میں یہ بحث کی جاتی ہے کہ ''راوی کو کن حالات میں ترک کیا جاتا ہے اور اس کی توثیق وتعدیل کے لیے کیا شرائط ہیں''۔اس علم کو ''علم معرفة الرجال'' سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔اس علم کی کسوٹی پر حدیث نبوی کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے اور اس کے مقام ومرتبہ کی تعیین کرتے ہوئے درجہ بندی کی جاتی ہے۔کشف الظنون کے مؤلف نے اس علم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: ''یہ وہ علم جس میں راویوں کی جرح وتعدیل ایسے مخصوص الفاظ سے کی جاتی ہے جن سے راویان حدیث کے مراتب کا پتہ چلتا ہے۔یہ علم اسماء الرجال کے فروع میں سے ہے.....اس کا مقصد شریعت اسلامیہ کی حفاظت وصیانت ہے،لوگوں پر طعن وجرح مقصود نہیں''۔

اس فن پر متعدد علماء نے قلم اٹھایا ہے اور اس کی جمع وتدوین میں اہم کردار ادا کیا ہے۔اس موضوع پر ایک گرانقدر سرمایہ متقدمین ومتأخرین علماء نے بطور یادگار چھوڑا ہے جن کا ذکر اسماء الرجال کے تحت کیا جا چکا ہے کہ اس علم کا تعلق بنیادی طور اسی علم سے ہے۔یہاں صرف اس فن کی چند اہم کتابوں کا ذکر کیا جا رہا ہے:

كتاب الجرح والتعديل از امام احمد بن حنبل (م۲۴۱ھ)،كتاب الجرح والتعديل از احمد بن عبداللہ عجلی (م۲۶۱ھ)،الجرح والتعديل از ابن ابی حاتم (م۳۲۷ھ)،كتاب الثقات از ابن حبان بُستی (م۳۵۴ھ)،كتاب الثقات از عجلی (م۳۶۱ھ)،الكامل في الجرح والتعديل یا الكامل في معرفة الضعفاء والمتروكين از ابن عدی جرجانی (م۳۶۵ھ) وغیرہ۔

3.4.3.3 علم مختلف الحدیث

اس علم کے ذریعہ ظاہری طور پر ایک دوسرے سے متناقض اور متضاد نظر آنے والی احادیث کے درمیان جمع وتطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے یا ایک کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دیا جاتا ہے۔اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے بقول ''ایسی روایات کو جن کا تعارض دور ہو سکتا ہے اصطلاح محدثین میں مختلف الحدیث کہتے ہیں''۔اس علم کو علم تطبیق احادیث،اختلاف الحدیث،تأویل مختلف الحدیث بھی کہا جاتا ہے۔اس موضوع پر سب سے پہلے امام شافعی (م۲۰۴ھ) نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام اختلاف الحدیث تھا۔

اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب میں اختلاف الحديث از علی بن مدینی (م۲۳۴ھ) تأويل مختلف الحديث از ابو یحییٰ ساجی (م۳۰۷ھ)،مشکل الآثار از محمد بن جریر طبری (م۳۱۰ھ) اور مشكل الآثار از طحاوی وغیرہ ہیں۔

3.4.3.4 علم علل الحدیث

اس علم میں ان پوشیدہ اور دقیق اسباب وعلل سے بحث کی جاتی جن کی بنا پر کسی حدیث کی صحت پر اعتراض کیا جاتا ہے جب کہ ظاہری طور پر اس حدیث میں کوئی سقم اور کمی نہیں نظر آتی ہے۔امام بخاری ،امام مسلم ،امام ترمذی ،امام احمد بن حنبل ،علی بن مدینی (م۲۳۴ھ) ،زکریا بن یحییٰ ساجی ،ابوبکر خلال (م۳۱۱ھ) ،ابن ابی حاتم (م۳۲۷ھ)،

ابن عدی (۳۶۵ھ)، علی بن عمر دار قطنی (م ۳۷۵ھ)، ابوعبداللہ حاکم (م ۴۰۵ھ) اور ابن الجوزی (۵۹۷ھ) جیسے اکابر محدثین نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

3.4.3.5 مشکل الحدیث

عہد عباسی میں قرآن کی طرح حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی و مفاہیم کو متعین کرنے کے لیے علماء نے کتب لکھیں ہیں جیسے ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) نے صحیحین کے مشکل الفاظ کے معانی و مفاہیم کو ''شرح مشكل الصحيحين'' نامی کتاب میں بیان کیا ہے۔

3.4.3.6 علم غریب الحدیث

جس طرح اہل علم نے قرآن کریم کے غریب اور نامانوس الفاظ کے معانی پر کتابیں لکھی ہیں اسی طرح احادیث کے مشکل اور شاذ و نادر الفاظ پر بھی کتابیں لکھی گئیں ہیں۔ اس علم کے ذریعہ متن حدیث کے ان الفاظ کے معانی و مفاہیم کو متعین کیا جاتا ہے جن کا مطلب قلت استعمال کی وجہ سے واضح اور صاف نہیں ہوتا ہے۔ اس موضوع پر ابوعبیدہ معمر بن مثنی (م ۲۰۱ھ) نے پہلی کتاب لکھی تھی۔ دوسری کتاب لکھنے کا سہرا نضر بن شمیل مازنی (م ۲۰۴) کے سر بندھتا ہے۔ تیسری کتاب ابوعبید قاسم بن سلّام ہروی (م ۲۲۴ھ) نے چالیس سالہ شب و روز کی محنت کے بعد غريب الحديث کے نام سے مرتب کی تھی۔

اس موضوع کی پر لکھی جانے والی دیگر کتب میں غريب الحديث از ابن قتیبہ دینوری (م ۲۷۶ھ)، غريب الحديث از قاسم بن محمد انباری (م ۳۰۴ھ)، غريب الحديث از ابن انباری، محمد بن قاسم (م ۳۲۸ھ)، التقريب في علم الغريب از قاضی نورالدین محمود بن احمد ہمدانی فیّومی (م ۳۳۴ھ)، غريب الحديث از ابوسلیمان حمد بن محمد خطّابی بستی (۳۸۸ھ)، الفائق في غريب الحديث از زمخشری (م ۵۳۸ھ) ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) کی غريب الحديث اور النهاية في غريب الحديث از ابن اثیر (م ۶۰۶ھ) کا شمار اہم کتب میں ہوتا ہے۔

3.4.3.7 علم الناسخ والمنسوخ

جس طرح قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ آیات پائی جاتی ہیں اسی طرح حدیث شریف میں ناسخ و منسوخ احادیث ملتی ہیں لہذا قرآن کے علم الناسخ والمنسوخ کی طرح احادیث میں بھی علم الناسخ والمنسوخ پایا جاتا ہے۔ اس علم میں ان احادیث سے بحث کی جاتی ہے جن میں جمع و تطبیق یا راجح و مرجوح ہونے کی کوئی شکل نہ پائی جاتی ہو۔ اس موضوع پر لکھی جانے کتابوں میں الناسخ والمنسوخ از امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ)، ناسخ الحديث ومنسوخه از ابوبکر اثرم (م ۲۶۱ھ)، ناسخ الحديث ومنسوخه از ابن شاہین بغدادی (م ۳۸۵ھ)، الاعتبار في بيان الناسخ والمنسوخ من الآثار از ابوبکر محمد بن موسیٰ حازمی (۵۸۴ھ) اور الناسخ والمنسوخ از ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) وغیرہ ہیں۔

3.4.3.8 علم موضوعات الحدیث

اس علم سے مراد وہ علم جس کے ذریعہ موضوع اور گڑھی ہوئی احادیث کا پتہ چلتا ہے۔ اس علم کا تعلق درایت سے ہے۔ محدثین عظام نے واضعین حدیث کو پرکھنے اور جانچنے کے کچھ پیمانے بنائے تھے اور ان کی روشنی میں، سخت محنت اور جانفشانی کے بعد موضوع احادیث کو مستقل کتابوں میں اکٹھا اور یکجا کر دیا ہے۔ اس موضوع پر علامہ ابن جوزی (۵۹۷ھ) نے الموضوعات في الأحاديث المرفوعات نامی کتاب لکھی تھی۔

3.4.3.9 علم اصول الحدیث

احادیث نبوی کو روایت اور درایت کی روشنی میں جمع کیا گیا ہے۔ درایت سے متعلق اصول کو علم اصول الحدیث سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس موضوع پر غالبا پہلی کتاب امام رامہرمزی (م ۳۶۰ھ) نے لکھی تھی اور اسے المحدث الفاصل بين الراوي والواعي کے نام سے موسوم کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس موضوع پر سب سے پہلے محمد بن حبان بُستی (م ۳۵۴ھ) نے قلم اٹھایا تھا اور التقاسيم والأنواع نامی کتاب مرتب کی تھی لیکن وہ زمانہ کی دست و برد کا شکار ہو چکی ہے۔

علم اصول حدیث پر لکھی جانے والی دیگر اہم کتب میں امام حاکم نیساپوری (م ۴۰۵ھ) کی معرفة علوم الحديث، ابُونعیم اصفہانی (م ۴۳۰ھ) کی طبقات المحدثين والرواة، خطیب بغدادی، احمد بن علی (م ۴۶۳ھ) کی الكفاية اور الجامع لآداب الشيخ والسامع، ابوحفص عمر بن عبدالمجید قرشی (م ۵۸۰ھ) کی ما لا يسع المحدث جهله، عمر بن بدر (م ۵۳۲ھ) کی المغني في علم الحديث اور ابن صلاح (۶۴۳ھ) کی علوم الحديث معروف بہ مقدمة ابن الصلاح وغیرہ شامل ہیں۔

قرآن کی طرح حدیث نے بھی جغرافیہ، تاریخ، سیرت و سوانح، علم انساب و قبائل کے ساتھ ساتھ مختلف لسانی علوم و فنون کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

3.4.3 فقہ اور اصول فقہ

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو ایک مکمل نظام حیات پیش کرتا ہے اور زندگی میں در کر آنے والے تمام مسائل کا صحیح اور قابل عمل حل پیش کرتا ہے۔ عہد نبوی کا معاشرہ بہت ہی پاک وصاف معاشرہ تھا۔ اس عہد میں فقہی مسائل کا تعلق عام طور سے زندگی کے روزمرہ کے معمولات اور عبادات کے مسائل سے تھا۔ عہد خلافت راشدہ تا عہد عباسی تک اسلامی قلمرو کے رقبہ میں بہت زیادہ وسعت اور مختلف اقوام وتہذیب کے ملاپ وملن کے نتیجہ میں نت نئے مسائل سے اس وقت کے معاشرے دوچار ہوئے تھے جن کا حل اس وقت کے علماء وفقہاء نے قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کیا تھا۔ ان مختلف ادوار کے علماء وفضلاء وفقہاء کی کاوشوں نے ''علم فقہ'' کی شکل اختیار کر لی اور اسلامی علوم وفنون کے دائرہ کو مزید وسیع کر دیا۔

3.4.3.1 فقہ کی تعریف

فقہ کی مشہور تعریف امام ابوحنیفہؒ کی جانب منسوب کی جاتی ہے'' هو معرفة النفس ما لها وما عليها '' (نفس کو اس بات کا علم ہونا کہ اس کے حقوق کیا ہیں اور اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں)۔ بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف الاسلامیۃ 'اس تعریف سے فقہ کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہو جاتا ہے کہ وہ پورے اعتقادیات (ایمان وغیرہ)، وجدانیات (اخلاق باطنہ وملکات نفس) اور عملیات (نماز وروزہ وغیرہ) پر محیط ہو جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں علم کلام، علم اخلاق وتصوف اور علم معاملات سب فقہ میں شمار کر لیے جائیں گے۔ یہ مفہوم ضرورت سے کچھ زیادہ ہی وسیع ہے لہذا علماء نے اسے زیادہ قطعی بنانے کی کوشش کرتے ہوئے اس کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے'' هو العلم بالاحكام الشرعية العملية من أدلتها التفصيلية '' (تفصیلی دلائل کے ساتھ عملی شرعی احکام کا علم) اور اس کی غرض وغایت عذاب جہنم سے نجات اور جنت کا حصول ہے اور اس کا شرف دین سے متعلق ہونا اور ثواب کے حصول کا باعث ہونا ہے'۔

ڈاکٹر ظہور احمد بن اظہر نے فقہ کے مختلف معانی ومفاہیم کا ذکر کرتے ہوئے اس کی تعریف اور اس کے دائرۂ کار کا ذکر ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ''فقہ احکام شرعیہ عملیہ کا علم ہے جو احکام کے ادلۃ تفصیلیۃ سے حاصل (مستنبط) کیا گیا ہو.....اس کا ماحصل یہ ہے کہ فقہ، ادلہ کی روشنی میں مسائل واحکام شرع کے فہم واستنباط کا علم ہے۔ یہ احکام، دین ودنیا اور ایک لحاظ سے کل علم دین کے اصول وفروع پر حاوی ہیں''۔

فقہ کے چار بنیادی مآخذ ہیں: قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔ ان مآخذ میں خلفائے راشدین کا تعامل/تعامل صحابہ (کسی معاملہ میں صحابہؓ کا طرز عمل) کو بھی شامل کیا جاتا ہے، کچھ اصحاب علم نے اس کے مآخذ کے دائرہ کو وسعت دیتے ہوئے اس کے دس مآخذ بتائے ہیں جن میں مذکورہ مآخذ کے علاوہ مسلمان حکمرانوں کی جانب سے جاری کردہ وہ نظامات (انتظامات) ہیں جو قرآن وسنت کے خلاف نہ تھے اور جن سے فقہاء نے اپنی برأت کا اظہار بھی نہیں کیا تھا، ثالثوں کے فیصلے جن سے قرآن وسنت اور اجماع کی نفی نہیں ہوتی ہے، وہ ہدایات جو آپ ﷺ نے، صحابہ کرام اور تابعین عظام نے، فقہائے کبار کے مشورے سے مسلمان سلاطین وحکمرانوں نے اپنے گورنرس اور سفراء کے لیے جاری کی تھیں، بین الاقوامی تعلقات کے حوالہ سے ایسی قانون سازی جو قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو اور عرف عام/عادت کو شامل کیا جاتا ہے تاہم ان کی حیثیت ضمنی ہی قرار دی جاتی ہے۔

3.4.3.2 تدوین فقہ کے ادوار

علم فقہ نے مختلف ارتقائی مراحل طے کیے ہیں۔ ان ارتقائی مراحل کو چھ ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱- دور نبوی ﷺ۔

۲- دور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم۔ یہ دور، خلافت راشدہ تک محیط ہے۔

۳- دور صغار صحابہ وتابعین۔ یہ دور خلافت راشدہ کے بعد شروع ہوتا ہے اور زوال خلافت وحکومت اموی تک ممتد ہے۔

۴- تدوین فقہ کا بنیادی دور جس میں اس نے ایک مستقل علم کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ یہ زمانہ دوسری صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے اور اس کا خاتمہ تیسری صدی کے اختتام پر ہوتا ہے۔ گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ عہد عباسی میں ہی اس فن نے اپنے بال وپر نکالے تھے۔ اسی عہد میں منظم فقہی مسالک کا ظہور ہوا کہ بنیادی چار مکاتب فقہ- حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی- پروان چڑھے۔ اسی عہد میں امام اوزاعی (م ۱۵۷ھ) کا مکتب فقہ بھی پایا جاتا ہے لیکن وہ رواج نہ پا سکا اور تاریخ فقہ اسلامی کا ایک حصہ بن گیا۔

۵- وہ دور جس میں ائمہ کرام کے اجتہادات اور ان کے بیان کردہ مسائل کا ناقدانہ اور باریک بینی سے مطالعہ کیا گیا۔ اس دور کا خاتمہ بنیادی طور پر سقوط بغداد کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے تاہم یہ دور خلافت عباسی کے خاتمہ کے بعد کچھ عرصہ تک مصر میں قائم ہونے والی حکومتوں تک محیط ہے۔ گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ فقہ کی ابتداء بھی عہد عباسی میں ہوئی اور خاتمہ بھی اسی عہد کے خاتمہ پر ہوتا ہے

۶ - دورتقلید کی ابتداء اور دور اجتہاد کا خاتمہ۔

مذکورہ بالا ادوار میں سے مکمل چوتھا دور اور پانچویں دور کا اکثر حصہ ہی عہد عباسی سے تعلق رکھتا ہے لہذا باقیماندہ ادوار سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف عہد عباسی میں پروان چڑھنے علم فقہ اور اصول فقہ کے اہم علماء اور ان کی کتب کا ذکر درج ذیل سطور میں کیا جا رہا ہے۔

3.4.3.3 عہد عباسی کا فقہی سرمایہ

عہد عباسی میں منظر عام پر آنے والی کتب وتصانیف کا استیعاب تو مشکل ہے تاہم اس فن کی اہم کتابوں کا ذکر حسب ذیل سطور میں مشہور فقہی مکاتب فکر کے اعتبار سے کیا جا رہا ہے:

3.4.3.3.1 فقہ حنفی

حنفی مکتب فکر کی اہم کتب میں مسند الامام أبي حنيفة از قاضی ابو یوسف (م۱۸۲ھ)، اسی کتاب کو بعد میں محمد خوارزمی (م۶۵۵ھ) جامع مسانيد أبي حنيفة کے نام سے مکمل کیا تھا،کتاب الخراج، اختلاف أبي حنيفة وابن أبي ليلى اور كتاب الرد على سير الأوزاعي از قاضی ابویوسف (م۱۸۲ھ)،كتاب المؤطا،الجامع الصغير، الجامع الصغير،المبسوط،السير الصغير،السير الكبير از امام محمد بن حسن شیبانی (م۱۸۹ھ)،كتاب المجرد لأبي حنيفة ترتيب از حسن بن زیاد لولوی (م۲۰۴ھ)،الاسعاف في أحكام الأوقاف از احمد بن عمر خصاف (م۲۶۱ھ)،اختلاف الفقهاء از امام طحاوی (م۳۲۱ھ)، مختصر القدوری از ابوالحسن قدوری (م۴۲۸ھ)،شرح السير الكبير از امام سرخسی (م۴۸۳ھ)،البدائع شرح تحفة الفقهاء از ابوبکر بن مسعود (م۵۸۷ھ)،فتاوى قاضی خان،شرح الجامع الصغير اور شرح الزويات از قاضی حسن بن منصور خان (م۵۹۲ھ)،كتاب الهداية از علی بن ابوبکر فرغانی مرغینانی (م۵۹۳ھ)،شرح الجامع الكبير از امام عبدالمطلب بن الفضل حلبی (م۶۱۶ھ)،شرح الجامع الكبير اور شرح السير الكبير از محمد بن احمد بخاری (م۶۳۷ھ) وغیرہ

3.4.3.3.2 فقہ مالکی

مالکی مکتب فکر کی اہم کتب میں كتاب المؤطا از امام مالک بن انس (۱۷۹ھ)،القضاء في البنيان از عبداللہ بن عبدالحکم،المختصر الكبير،كتاب الوثائق والشروط اور كتاب آداب القضاة از محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم مصری (م ۲۶۸ھ)،المبسوط از قاضی اسماعیل بن اسحاق،الموازية از محمد بن ابراہیم بن زیاد مواز اسکندری (م۲۸۱ھ)،الزاهي الشعباني از ابن قرطی، محمد بن قاسم (م۳۵۵ھ) وغیرہ۔

فقہ مالکی کا فروغ زیادہ تر اندلس اور افریقہ میں ہوا تھا لہذا اس کی اہم اور بنیادی کتابیں انھیں دیار وامصار خاص طور سے اندلس میں لکھی گئیں تھیں۔ اندلس چونکہ اکائی کے دائرۂ کار میں شامل نہیں ہے اس لیے وہاں لکھی جانے والی کتابوں کا ذکر یہاں نہیں کیا جا رہا ہے۔

3.4.3.3.3 فقہ شافعی

شافعی اسکول کی اہم کتب میں كتاب الأم از امام شافعی،الجامع الكبير،الجامع الصغير،مختصر المزني،المنثور،المسائل المعتبرة،كتاب الوثائق اور الترغيب وغیرہ از امام مزنی، اسماعیل بن یحییٰ (م۲۶۴ھ)،كتاب الرباء از ابن زیاد نیشاپوری (م۳۲۴ھ)،الفروع المبتكرة الغريبة،أدب القاضي اور الفرائض وغیرہ از محمد بن احمد حداد (م۳۴۴ھ)،شرح الرسالة از امام قفال، محمد بن اسماعیل (م۳۶۵ھ)،شرح مختصر المزني از قاضی ابوطیب طبری (م۴۵۰ھ)،الحاوى،أدب الدنيا والدين اور الأحكام السلطانية وغیرہ از علی بن محمد ماوردی (م۴۵۰ھ)،الشامل اور الكامل از ابونصر صبّاغ (م۴۷۷ھ)،نهاية المطلب في دراية المذهب،الشامل في أصول الدين والارشاد از امام الحرمین جوینی (م۴۷۸ھ)،كتاب الوجيز،كتاب الوسيط،كتاب البسيط،اختصار المختصر اور غاية الغور وغیرہ از امام غزالی (م۵۰۵ھ)،شرح الوجيز از امام فخر الدین رازی (م۶۰۶ھ)،شرح المحرر اور شرح الوجيز از امام عبدالکریم رافعی (م۶۲۳ھ) وغیرہ۔

3.4.3.3.4 فقہ حنبلی

حنبلی اسکول کی اہم کتب میں الرسالة از عبدوس بن مالک (م۲۵۰)،مسائل أحمد بن حنبل از ابوبکر اثرم (م۲۶۱ھ)،الجامع از ابوبکر خلال (م۳۱۱ھ)،كتاب السنة از حسن بن علی (م۳۲۹ھ)،المختصر في الفقه از امام عمر بن حسین خرقی (م۳۳۴ھ)،الخلاف مع الشافعي از عبدالعزیز بن جعفر (م۳۶۳ھ)،الارشاد اور شرح الخرقي از ابوعلی محمد بن احمد ہاشمی (م۴۲۸ھ)، رؤوس المسائل، شرح المذاهب اور أدب الفقه از ابوجعفر بن ابی

موسی (م۴۷۰ھ)،الفنون ازعلی بن عقیل ظفری (م۵۱۳ھ)،المجموع في الفروع ازابوحسین بن فراء بغدادی (م۵۲۶ھ)،المغني في شرح الخرقي ازامام ابن قدامہ (م۶۲۰ھ)،المنتقی، المحرر اور منتهى الغاية في شرح الهداية ازامام ابن تیمیہ،عبدالسلام بن عبداللہ (م۶۵۲ھ) وغیرہ۔

3.4.3.3.5 فقہ جعفری

شیعی فقہی اسکول کی اہم کتب میں الكافي ازمحمد بن یعقوب کلینی (م۳۲۹ھ)،من لا يحضره الفقيه ازعلی بن حسین قمی (۳۸۱ھ) ،المقنعة ازشیخ مفید محمد بن نعمان تلعکبری (م۴۱۳ھ)،الشافي ازعلی بن حسین موسوی (۴۳۶ھ)،كنز الفوائد ازمحمد بن علی کراجکی (م۴۴۹ھ)،الناصريات ازسید مرتضی،الانتصار ، الاستبصار فيما اختلف من الاخبار اور تهذيب الأحكام ازطوسی (۴۶۰ھ)۔

مذکورہ بالا اہم فقہی مکاتب کے علاوہ بھی دیگر فقہی اسکول عہد عباسی میں موجود تھے لیکن وہ بہت دیر تک باقی نہ رہ سکے جیسے ابن حزم کا فقہی اسکول،لہذا ان کا ذکر یہاں نہیں کیا جارہا ہے۔

فقہی مذاہب پر مشتمل کتابوں میں احکام القرآن کے موضوع پر لکھی جانے والی کتب کا بھی شمار کیا جاسکتا ہے کہ وہ فقہی احکام ومسائل سے بحث کرتی ہیں۔ان کتابوں کا ذکر قرآنی علوم کے تحت علم احکام القرآن کے تحت کیا جاچکا ہے۔

3.4.3.4 فقہی علوم

3.4.3.4.1 علم اصول فقہ

علم اصول فقہ سے مراد وہ اصول وضوابط ہیں جن پر فقہ کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔یہ اصول وضوابط،شریعت اسلامی کے بنیادی مآخذ-قرآن،حدیث،اجماع اور قیاس-کو صحیح طریقے سے سمجھنے اوران سے مسائل کے صحیح استنباط کے لیے کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے وہ ''قواعد ومباحث کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کے ذریعے تفصیلی دلائل سے شریعت کے عملی احکام کا استنباط کیا جاتا ہے''۔

فقہ اور اصول فقہ کی ابتداء اور اس کی ترقی وترویج کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں وسعت کے ساتھ گوناگوں مسائل جنم لینے لگے اوران کے حوالہ سے علماء کے مختلف فیصلے سامنے آنے لگے جو دھیرے دھیرے فکر وتشویش کا باعث بنتے چلے گئے،اس صورت حال انھیں اس بات پر مجبور کردیا کہ وہ فقہی احکام کے حوالہ سے کچھ اصول مرتب کردیں تاکہ کسی بھی معاملہ میں فیصلوں میں کسی حدتک یکسانیت پیدا ہوسکے۔

مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ ان اصول وضوابط کو سب سے پہلے امام ابو یوسفؒ نے (م۱۸۲ھ) مرتب کیا تھا لیکن وہ زمانہ کے دست وبرد کا شکار ہوکر رہ گئے۔ان کے بعد امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) نے ''الرسالة'' میں انھیں مدون کردیا تھا لہذا انھیں ہی اس فن کا بانی سمجھا جاتا ہے۔اصول فقہ کے میدان میں امام محمد بن محمد ماتریدی (م۳۳۳ھ) کی مآخذ الشرائع،امام قفال،محمد بن اسماعیل (م۳۶۵ھ) کی أصول الفقه،امام ابوبکر جصاص (م۳۷۰ھ) کی أصول الجصاص،امام عبیداللہ بن عمر دبوسی (م۴۳۰ھ) کی تقويم الأدلة،عبدالجبار معتزلی کی بکتاب العمدة ،ابوالحسین محمد بن طیب بصری معتزلی (م۴۶۳ھ) کی شرح العمدة ،امام الحرمین جوینی (م۴۷۸ھ) کی کتاب البرهان ،امام سرخسی (م۴۸۳ھ) کی تمهيد الفصول في الأصول ،امام غزالی (م۵۰۵ھ) کی المستصفى ،امام فخرالدین رازی (۶۰۶ھ) کی کتاب المحصول اور معالم في أصول الدين،سیف الدین آمدی (م۶۳۱ھ) کی أحكام الإحكام،تاج الدین ارموی (م۶۵۶ھ) کی کتاب الحاصل،ابن حاجب مالکی (م۶۴۶ھ) کی منتهى السؤل والأمل الى علمي الأصول والجدل ،امام بزدوی کی أصول البزدوی کا شمار اہم ترین کتب میں ہوتا ہے جن میں سے بعض کی شروح لکھی گئیں اور خلاصے تیار کیے گئے تھے جو اپنے فنی مباحث کی وجہ سے مشہور ومعروف ہیں۔

3.4.3.4.2 علم الفرائض/علم المیراث

اسلام ایک فطری مذہب ہے جس میں معاشرہ اور خاندان کے ہر فرد کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اس کے حقوق وواجبات وغیرہ کو متعین کردیا گیا ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔انسانی حیات کا ایک اہم باب وراثت بھی ہے۔اسلام نے اس حوالہ سے بھی احکام وقوانین بتائے ہیں جو نہ صرف کسی کو بھی اس کے ادنی سے ادنی حق محروم کرنے سے روکتے ہیں بلکہ وہ اسلامی نظام وارثت کو دنیا کے تمام تر نظام وراثت سے ممتاز اور منفرد بناتے ہیں۔اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے مقالہ نگار کے بقول ''اسلام کا قانون وراثت فطری تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے،عائلی محبت کے رشتوں کو استوار کرتا،فرد کے غیر معتدل احساس فردیت کو معتدل بنا کر سچا اجتماعی شعور پیدا کرتا اور دولت کے غیر منصفانہ ارتکاز کو روکتا ہے''۔

علم میراث کا شمار فقہ اسلامی کے اہم فنون میں ہوتا ہے اس کی اہمیت کا اندازہ فرمان نبوی ''تعلموا الفرائض وعلموها الناس فإنها نصف العلم'' سے لگایا

جاسکتا ہے۔

علم میراث کے موضوع پر عہد عباسی میں حسب ذیل کتب مرتب کی گئی ہیں:

کتاب الفرائض ازحسن بن زیادلؤلؤی (م۲۰۴ھ)،کتاب الفرائض ازیزیدبن ہارون بن زاذان واسطی (م۲۰۶ھ)،کتاب الفرائض ازامام احمد بن حنبل (م۲۴۱ھ)،کتاب جامع الفرائض ازعبدالحمید بن سہل (تیسری صدی ہجری)،الاجوزة الرحبية (منظوم) ازمحمد بن علی رجبی (م۵۷۷ھ)،مفتاح الفرائض في علم الفرائض ازمحمد بن سعدان عصفیری (م نحو۶۱۳ھ) وغیرہ۔

3.4.4 سوانحی ادب

اسلامی علوم وفنون میں سیرت وسوانح کا بھی شمار ہوتا ہے۔جوں جوں علم کا دائرہ وسیع ہوتا رہا توں توں بعض اصطلاحات بعض علوم وفنون کے لیے مختص ہوتی چلی گئیں تاہم کبھی کبھی ان کا استعمال دیگر معنوں میں بھی کیا جاتا ہے۔مثال کے طور سیرت کے لفظ کو عام طور سے سیرت نبوی سے مختص کیا جاتا ہے اور دیگر افراد کی سیرت کے لیے لفظ سوانح کا استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی کبھی یہ دونوں لفظ ایک دوسرے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔

سوانحی ادب سے مراد وہ تصانیف ہیں جن میں افراد کے حالات وواقعات تفصیل یا اختصار کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں۔تاریخ میں بھی افراد کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن تاریخ اور سوانح میں فرق یہ کہ تاریخ میں جن افراد کا تذکرہ کیا جاتا ہے وہ اس عصر اور معاشرہ کے پورے تناظر میں پیش کیا جاتا ہے جب کہ سوانح میں کسی فرد کی زندگی کو اجاگر کیا جاتا ہے،اس فن میں زمانہ کا ذکر ضمنی طور آتا ہے۔

سوانحی ادب کو دینی اور غیر دینی زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔پہلی قسم میں سیرت رسول ﷺ کے علاوہ صحابۂ کرامؓ،راویان احادیثؒ،مفسرینؒ ومحدثینؒ اور صوفیہؒ وغیرہ کے حالات زندگی بیان کیے جاتے ہیں۔دوسری قسم میں عام اصناف علم وفن جیسے شعراء واطباء وغیرہ کے حالات زندگی بیان کیے جاتے ہیں۔

سوانحی ادب کے سرسری جائزہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اس فن کے جلو میں سیرت نبوی،طبقات صحابہ،فن اسماء الرجال،مختلف علوم وفنون کے ماہرین کے تذکرے اور عمومی تذکرے پر مشتمل کتابیں مختلف انداز میں مرتب کی گئیں۔

3.4.4.1 سیرت نبوی

سوانحی ادب میں فن سیرت نبوی کو سب سے بلند پایہ مقام ومرتبہ حاصل ہے۔اس فن کا آغاز عہد صحابہ سے بلکہ عہد نبوی سے ہوجاتا ہے کہ بعض صحابہ کی مرویات میں آپ ﷺ کی زندگی کے مختلف واقعات،شمائل وغیرہ کا ذکر ملتا ہے تاہم وہ سلسلہ زبانی روایات تک ہی محدود رہا۔عہد صحابہ میں کم ازکم حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے ہفتہ کے سات دنوں میں سے ہر دن کو کسی نہ کسی علم کے درس وتدریس کے لیے مختص کر دیا تھا۔ان علوم میں ''علم مغازی'' بھی تھا جس کا وہ ہفتہ میں ایک دن درس دیا کرتے تھے۔

ابتداء میں فن سیرت کو''علم مغازی'' سے موسوم کیا جاتا تھا اور اسے احادیث کے مجموعہ میں مرتب کیا گیا تھا کہ تقریبا حدیث کی ہر کتاب میں ''كتاب المغازي'' کا باب شامل ہوتا تھا۔کچھ مواد تفاسیر میں ملتا ہے کہ مفسرین نے متعدد آیات کی تفاسیر میں آپ ﷺ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پیش کیا تھا،خاص طور سے ان آیات میں جن کا تعلق آپ ﷺ کی ذات گرامی سے تھا۔

تاہم عہد اموی میں یہ علم ایک مستقل فن کی شکل اختیار کرلیتا ہے کہ سیرت کی اولین کتاب ''مغازي عروة بن زبیر'' مرتب کی جاتی ہے۔اس کتاب کے بعد فن سیرت نبوی مسلسل ارتقائی مراحل طے کرتا رہا جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے تاہم اس کا بنیادی اور عہد زریں ''عہد عباسی'' ہی قرار پاتا ہے کہ اسی عہد میں سیرت نبوی کی تمام بنیادی اور اہم کتابیں مرتب کی گئیں تھیں۔

اس عہد میں فن سیرت نبوی،فنی معارج کی بلندیوں کو چھوتا ہوا نظر آتا ہے۔اس عہد کے سب سے نمایاں سیرت نگار امام ابن اسحاق (م۱۵۱ھ) ہیں جن کی کتاب کو فن سیرت نگاری میں ''ام الکتاب'' کا درجہ حاصل ہے۔انھوں نے خلیفہ منصور کی فرمائش پر سیرت کے موضوع پر ایک اہم اور ضخیم کتاب لکھی تھی جو زمانہ کی دست وبرد کا شکار ہوگئی۔ساتھ ہی ساتھ انھوں نے سیرت نبوی کا درس دینے کا باقاعدہ اہتمام کیا تھا اور شاگردوں کی ایک معتبر جماعت تیار کردی تھی جن میں سب سے نمایاں شاگرد ابن ہشام (م۲۱۸ھ) ہیں جن کی روایت کردہ سیرت ''سیرت ابن ہشام''،ابن اسحاق کی مفقود کتاب کا نعم البدل بن گئی ہے۔

عہد عباسی کی کتب سیرت میں مذکورہ بالا دونوں کتب کے علاوہ كتاب المغازي ازمعمر بن راشد بصری (م۱۵۷ھ)،كتاب المغازي ازابومعشر نجیح سندھی مدنی (م۱۷۰ھ)،كتاب المغازي ازعبدالملک بن محمد ...نی (م۱۷۶ھ)،كتاب المغازي ازعلی بن مجاہد رازی (م۱۸۳ھ)،كتاب المغازي از یحییٰ بن سعید

اموی (م۱۹۴ھ)،امام واقدی (م۲۰۷ھ) کی کتاب المغازي ،تركة النبي ازحماد بن اسماعیل ازدی (م۲۶۷ھ)،أمهات النبي ﷺ ازمحمد بن حبیب بغدادی (م۲۴۵ھ)،سيرة النبي والخلفاء الراشدين ازابوزرعہ دمشقی (م۲۸۰ھ)،مشہور محدث محمد بن عیسی ترمذی (م۲۷۹ھ) کی الشمائل النبوية والخصائل المصطفوية /كتاب الشمائل ،كتاب صفة النبي ازابن شعیب انصاری (م۳۵۳ھ)،ابن الجوزی (م۵۹۷ھ)،كتاب الوفاء بأحوال المصطفى ،الروض الأنف ازعبدالرحمٰن سہیلی (م۵۸۱ھ)،سيرة النبي وأصحابه العشرة ازحافظ عبدالغنی مقدسی (م۶۰۰ھ) اورالاملاء المختصر في شرح غريب السير ازابوذر خشنی (م۶۰۴ھ) وغیرہ شامل ہیں۔

مذکورہ بالا کتب کے علاوہ اس عہد میں کچھ کتابیں ایسی بھی مرتب کی گئیں تھیں جن کا ظاہری طور پر فن سیرت سے کچھ تعلق نظر نہیں آتا ہے لیکن ان کے مؤلفین ومصنفین نے اپنی اپنی کتابوں میں سیرت نبوی کے مباحث کو بھی قلم بند کیا ہے جیسے ابن سعد (م۲۳۰ھ) نے الطبقات الكبرى (اولین دوجلدیں) اوراحمد بن یحییٰ بلاذری (م۲۷۹ھ) نے أنساب الأشراف (پہلی جلد) کی ابتداء ذکر رسول سے کرتے ہوئے حیات نبوی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ان کے علاوہ محمد بن حبیب بغدادی (م۲۴۵ھ) نے اپنی کتب ''كتاب المحبر ''اور'' كتاب المنمق ''میں اورابن قتیبہ دینوری (م۲۷۶ھ) نے كتاب المعارف میں سیرت نبوی کے متعدد پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔

اسی طرح اسلامی تاریخ کے موضوع پر لکھی جانے والے کتابوں میں عام طور سے سیرت نبوی کا باب شامل ہوتا ہے۔ جیسے تاریخ ابن خیاط ازخلیفہ بن خیاط (م۲۴۰ھ)،تاریخ طبری ازمحمد بن جریر طبری (م۳۱۰ھ)،تاریخ یعقوبی ازاحمد بن اسحاق یعقوبی (م۳۱۵ھ) اورابن اثیر،علی بن محمد (م۶۳۰ھ) کی الكامل وغیرہ میں سیرت نبوی کے مبسوط مباحث مذکور ہیں۔

عہد عباسی میں سیرت نبوی کے علاوہ دیگر سوانحی ادب جیسے اسماء الرجال ،طبقات صحابہ وتابعین،مفسرین ومحدثین وفقہاء اور شعراء وادباء وغیرہ حالات زندگی پر بھی کئی کتابیں مرتب کی گئیں۔حسب ذیل سطور میں سوانحی ادب کی اہم شاخوں کا مختصر ذکر کیا جارہا ہے۔

3.4.4.2 فن اسماء الرجال

سیرت نبوی کے جلو میں اسماء الرجال جیسا عظیم الشان علم پروان چڑھا تھا جس کے بانی ومبانی صرف مسلمان تھے۔اس علم کے پروان چڑھنے سے ہزاروں اشخاص کے حالات زندگی محفوظ ہوگئے۔اس فن کا بنیادی تعلق علوم حدیث ہے۔اس فن کی تفصیل حدیث اوراس کے علوم وفنون کے تحت بیان کی جاچکی ہے۔

3.4.4.3 فن تراجم وتذکرہ

فن اسماء الرجال میں آگے چل کر مزید وسعت پیدا ہوجاتی ہے کہ احادیث کے ساتھ ساتھ مختلف علوم وفنون کے ماہرین کے حالات زندگی کو جمع کرنے کا آغاز کردیا گیا تھا جس نے آگے چل کر ایک مستقل فن کا درجہ اختیار کرلیا جسے ''فن التراجم '' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ صرف حدیث سے متعلق اشخاص وافراد کے حالات زندگی کو پیش کرنے والی کتب فن اسماء الرجال کے زمرہ میں شامل ہوں گی اور باقی ماندہ علوم وفنون کے ماہرین کے حالات زندگی بیان کرنے والی کتابوں کو فن تراجم پر مشتمل کتابوں کی صف میں رکھا جائے گا۔فن تراجم کی متعدد کتب ''طبقات''اور''معجم'' کے تحت لکھی گئی ہیں تو کئی ایک کتابیں ایسی ہیں جن میں ان دونوں لفظ کا استعمال نہیں کیا گیا ہے لیکن ان میں ماہرین فن کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا فن پر متعدد کتابیں مختلف انداز اور طرز بیان میں لکھی گئی ہیں جن میں خلفاء وسلاطین،وزراء وامراء،مفسرین ومحدثین،فقہاء وقضاۃ،ادباء وشعراء،مؤرخین وجغرافیہ دانوں،نحووصرف اور دیگر علوم وفنون کے ماہرین کے ساتھ ساتھ سخیوں،بخیلوں اور بہادروں کے حالات کو قلم بند کیا گیا ہے۔ان میں سے بعض کتابوں میں کا شمار تاریخ کی کتابوں میں ہوتا ہے کہ ان میں اس علاقہ کی تاریخ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ وہاں کے ماہرین فن کے حالات زندگی کو بیان کیا گیا ہے جیسے تاریخ بغداد ازخطیب بغدادی،احمد بن علی (م۴۶۳ھ) اورتاریخ دمشق ازابن عساکر،علی بن حسن (م۵۷۱ھ) وغیرہ۔

عہد عباسی میں فن تراجم کے موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں کچھ زمانہ کی دست وبرد کا شکار ہوچکی ہیں اور کچھ موجود ہیں۔اس فن پر لکھی جانے والی کتب میں اسماعیل بن ابی محمد یزیدی (م نحو۲۰۰ھ) کی طبقات الشعراء ،ہیثم بن عدی (م۲۰۷ھ) کی طبقات الفقهاء والمحدثين ،ابوعبیدہ (م۲۰۸ھ) کی طبقات الفرسان ،محمد بن خالد (م۲۲۰ھ) کی طبقات الفقهاء ،خلیفہ بن خیاط (م۲۳۰ھ یا۲۴۰ھ) کی طبقات القراء ،ابن سلام جمحی (م۲۳۱ھ) کی طبقات فحول الشعراء ، ابوحسان زیادی (م۲۴۳ھ) کی طبقات الشعراء ،محمد بن حبیب بغدادی (م۲۴۵ھ) کی أمهات النبي ﷺ،أسماء المغتالين من الأشراف اور ألقاب الشعراء ومن يعرف منهم بأمه، دعبل بن علی خزاعی (م۲۴۶ھ) کی طبقات الشعراء ،ابن المعتز ،عبداللہ بن محمد (م۲۹۶ھ) کی طبقات الشعراء ،محمد بن عبدوس جہشیاری (م۳۳۱ھ) کی كتاب الوزراء والكتاب اور قضاۃ مصر ازمحمد بن یوسف کندی (م۳۵۰ھ)،اخبار النحويين البصريين ازابوسعید سیرافی (م۳۶۸ھ) وغیرہ

الشعراء ازابوعبیداللہ مرزبانی محمد بن عمران (م۳۸۴ھ)، ابوعبدالرحمٰن سُلَمی (م۴۱۴ھ) کی طبقات الصوفیة، یتیمة الدهر از ثعالبی (م۴۳۰ھ)، ابونعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) کی حلیة الأولیاء، تحفة الأمراء في تاريخ الوزراء از ہلال صابی (م۴۴۸ھ)، خطیب بغدادی، احمد بن علی (م۴۶۳ھ) کی تاریخ بغداد، طبقات الفقهاء از شیرازی (م۴۷۶ھ)، علی صیرفی (۵۴۲ھ) کی کتاب الوزراء، ابن عساکر، علی بن حسن (۵۷۱ھ) کی تاریخ دمشق، عبدالرحمٰن بن محمد انباری (م۵۷۷ھ) کی نزهة الألباء في طبقات الأدباء، عماد اصفہانی، محمد بن محمد (۵۹۷ھ) کی خریدة القصر، معجم الأدباء از یاقوت حموی (م۶۲۶ھ)، سبط ابن جوزی، یوسف بن قزاوغلی (م۶۵۴ھ) کی مرآة الزمان في تاريخ الأعيان، التكملة لوفيات النقلة از زکی الدین منذری (م۶۵۶ھ) اور ابوالحسن محمد حنبلی کی طبقات الحنابلة،، وغیرہ شامل ہیں۔

دوران اکائی معلومات کی جانچ

1-علم حدیث کا تعارف کراتے ہوئے اس کے مراحل تدوین کو بیان کیجیے۔

2-عہد عباسی کے سرمایۂ فقہ پر روشنی ڈالیے۔

3.5 سائنسی علوم وفنون

خالص سائنسی علوم وفنون کی بنا عہد اموی میں پڑ چکی تھی۔اس سمت میں پیش رفت کرنے کا سہرا حضرت خالد بن یزید اموی کے سر بندھتا ہے کہ انھوں نے سائنس کی بعض شاخوں جیسے کیمیاء وغیرہ کی کتابوں کا سب سے پہلے عربی میں ترجمہ کرایا تھا اور اس فن پر قلم اٹھایا ہے۔حضرت خالد بن یزیدؒ کا لگایا ہوا پودا عباسی خلفاء کے علمی مزاج کی وجہ سے بہت جلد تناور درخت بن گیا۔عہد عباسی کے علماء نے پہلے مرحلہ میں سائنس کے یونان، ہندوستان، روم ودیگر ممالک کے سرمایہ سے استفادہ کیا، پھر اس میں اپنے تجربات ومشاہدات سے اضافہ کیا اور آخر کار اس منصب پر پہنچ گئے جہاں وہ غیر عربی سرمایہ سے بے نیاز ہو گئے اور اس فن میں انتہاء تک پہنچ گئے اور 'معروضی اور حقیقی تجربات کی روشنی میں سائنسی علوم کو پختہ بنیادوں پر قائم کیا تھا'۔

قبل اس کے کہ سائنسی علوم پر گفتگو کا آغاز کیا جائے اس بات کی وضاحت بہتر یہ معلوم ہوتی ہے کہ عہد عباسی میں اخوان الصفا جیسی علمی تحریک پروان چڑھی تھی جس میں فلسفہ، زندگی کے اسرار ورموز اور اس جیسے دیگر مسائل کو زیر بحث لایا گیا تھا جنھیں ''رسائل أخوان الصفا'' کے نام سے مرتب کر دیا گیا تھا۔ان رسائل میں عہد عباسی کی علمی تحریک پر بھی جا بجا روشنی ڈالی گئی ہے اور مختلف علوم وفنون میں عباسی علماء وفضلاء کی خدمات کا ذکر کیا ہے۔چونکہ اس کتاب میں کئی ایک موضوعات پر بحث کی گئی ہے لہذا اس کا بار بار ذکر کرنے کی بجائے صرف یہیں ذکر کر دیا گیا ہے۔

3.5.1 کیمیاء (کیمسٹری)

فن کیمیاء کی بنیاد خالد بن یزید اموی نے ڈالی تھی کہ انھیں سائنسی علوم سے بہت زیادہ دلچسپی تھی۔انھوں نے اس فن پر یونانی کتب کا ترجمہ کروایا، خود تجربات کیے اور کتاب الحرارات، کتاب الصحيفة الكبير اور کتاب الصحيفة الصغير جیسی کتابیں بطور یادگار چھوڑیں ہیں۔

عہد عباسی کے اولین کیمیاء داں کا نام جابر بن حیان (م۲۰۰ھ) ہے جو خالد بن یزید کے شاگرد تھے۔وہ زندگی بھر مختلف دھاتوں کو سونے میں تبدیل کرنے کی کوشش میں لگے رہے جس کے نتیجہ میں انھیں دھاتوں کے خواص کا علم حاصل ہوتا چلا گیا تھا۔انھوں نے سائنسی نظریات کے ساتھ ساتھ سائنسی تجربات پر زور دیا ہے۔اس فن کو پروان چڑھانے میں ان کا کردار کافی اہم ہے۔انھوں نے مختلف قسم کے تیزاب بنائے تھے، دھاتوں کے پگھلانے اور بھاپ کے ذریعہ کسی چیز کو معدوم کرنے کا کامیاب تجربہ کیا تھا۔اس موضوع پر سو سے زائد کتابیں ان کی منسوب کی جاتی ہیں جن میں أسرار الكيمياء، أصول الكيمياء، العهد، كتاب الرحمة، كتاب التجميع، الذيباق الشرقي اور کتاب السبعين زیادہ اہم ہیں۔

عہد عباسی کے ماہرین کیمیاء میں مشہور صوفی ذوالنون مصری، ابوبکر رازی، ابن وحشیہ، جنبلاوی، عثمان بن سوید احمسی، راہب اصفن، ابوبکر علی بن محمد خراسانی، محمد بن یزید دبیس، ابوالعباس احمد بن محمد، ابوابراہیم اسحاق، ابوجعفر محمد بن علی شلمغانی، یعقوب کندی (م۲۵۴ھ)، ہمدانی، ابوحیان توحیدی (م۴۱۴ھ)، ابن سینا، محمد بن مالک صالحی خوارزمی (م۴۲۵ھ)، مؤید الدین طغرائی (م۵۵۳ھ) اور موسیٰ بن ارفع انصاری (م۵۵۳ھ) وغیرہ شامل ہیں۔

مذکورہ بالا کیمیاء دانوں کو ان کے نظریات وآراء کے حساب سے دو بنیادی گروپ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔پہلا گروپ اس بات کا قائل ہے کہ مختلف دھاتوں کو سونے میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔اس گروپ میں جابر بن حیان، فارابی اور ابوالحسن موسی بن رافع جیسے اہل علم شامل ہیں۔

دوسرے گروپ کا کہنا ہے کہ کسی دھات کی اصلیت کو کیمیاوی عمل سے تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے، زیادہ سے زیادہ اس کا رنگ وروپ بدلا جاسکتا ہے۔اس نظریے کے

قائلین میں یعقوب کندی، ابوحیان توحیدی اور ابن سینا جیسے ماہرین شامل ہیں۔

اس فن پر لکھی جانے والی اہم کتب میں سر الأسرار از امام رازی، مقالة وجوب صناعة الكيمياء از فارابی (م ۳۳۹ھ)، عين الصنعة وعون الصناع از محمد بن مالک صالحی خوارزمی (م ۴۲۵ھ)، حقائق الاستشهاد، كتاب الأنوار والمفاتيح، مفاتيح الرحمة اور أنوار الحكمة از مؤید الدین طغرائی، شذور الذهب از ابوالحسن موسیٰ بن ارفع انصاری (م ۵۵۳ھ)، أبطال دعوى المدعين صناعة الذهب والفضة من غير معادنها از یعقوب کندی، الجوهرتين العتيقتين از ہمدانی وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔

فنی بنیاد پر اس فن کو پروان چڑھانے میں مسلمان سائنس دانوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ انھوں نے نظریاتی اور تجرباتی دونوں پہلوؤں پر گرانقدر علمی سرمایہ چھوڑا ہے۔ مختلف قسم کی دھاتوں کے خواص کو متعین کرنے اور مختلف قسم کے تیزابوں جیسے گندھک کا تیزاب اور الکحل وغیرہ کی ایجاد کا بھی سہرا انھیں کے سر بندھتا ہے۔ انھوں نے ان تیزابوں کے تناسبات اور امتیازات کو دریافت کیا، گیسوں کی خاصیات بتائیں اور زہریلی معدنیات کو مفید ادویہ میں تبدیل کرنے کا نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے۔ عہد عباسی میں پروان چڑھنے والا یہ فن ہی آج کی موجودہ کیمسٹری کی بنیاد ہے۔ خاص طور پر جابر بن حیان اور ہمدانی کے نظریات کو جدید کیمیاء کی بنیاد مانا جاتا ہے۔

3.5.2 طبیعیات/طبعیات (فزکس)

عہد عباسی میں پروان چڑھنے والے علوم فنون میں طبیعیات/طبعیات کا بھی شمار کیا جاتا ہے تاہم اس فن کے متعلق معلومات بہت کم دستیاب ہیں جس کی غالبا بنیادی وجہ 'اس کا ریاضی اور علوم فلکیات و ہندسہ سے گہرا تعلق ہونا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ علم ان علوم سے خلط ملط ہوکر رہ گیا اور اس کی واضح شکل وصورت سامنے نہ آسکی اور ماہرین طبیعیات/طبعیات کی کاوشیں اور کارنامے سب کے سب مذکورہ علوم کے کھاتے میں چلے گئے'۔

مسلم ماہرین فن نے طبیعیات/طبعیات کو ''العلم الطبيعي'' کا نام دیا ہے جب کہ فارابی نے اس کے یونانی نام کو معرب کرتے ہوئے اسے ''الفيزيقيا'' سے موسوم کیا ہے۔

عہد عباسی میں فن طبیعیات/طبعیات کے ماہرین میں حسب ذیل شخصیات کا شمار کیا جاتا ہے۔

یعقوب کندی (م ۲۵۷ھ) کا شمار عہد عباسی کے ان باکمال علماء میں ہوتا ہے جنھوں نے مختلف علوم وفنون میں اپنے گہرے نقش چھوڑے ہیں۔ 'غالبا وہ پہلے ماہر طبیعیات/طبعیات ہیں جنھوں نے اس کے مختلف نظری پہلوؤں کو اپنی کتاب میں پیش کیا ہے۔ ویل دیوران (Well Durant) کے مطابق انھوں نے ہی مدوجزر کے اصول دریافت کیے تھے، ساتھ ہی ساتھ روشنی کی رفتار کے متعلق اپنی تحقیقات کو پیش کیا تھا۔ انھوں نے بصریات (Optics) کے موضوع پر بھی اپنی گرانقدر تحقیقات سے دنیا کو روشناس کرایا تھا۔ اس موضوع پر ان کی کتاب علم البصر بہت اہم سمجھی جاتی ہے۔

امام ابوبکر ارزی نے بھی اس فن میں گرانقدر کارنامے انجام دیے ہیں جیسے 'مادہ کی حرکت اور اس کی اصل، مکان وزمان کے معاملات، بصریات، زمین کی کشش ثقل اور مختلف اشیاء کی باہمی کشش' وغیرہ۔ انھوں نے اپنی تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ 'یہ زمین اپنی باہمی کشش اشیاء کی ثقل کی وجہ سے فضائے بسیط میں معلق ہے'۔ اس موضوع پر انھوں نے اپنی کتاب ''سبب وقف الأرض في السماء'' بہت عمدہ بحث کی ہے۔

امام فارابی نے بھی مختلف علوم وفنون میں اپنے کارنامے درج کیے ہیں۔ ان علوم وفنون میں طبیعیات/طبعیات بھی ہے۔ اس علم کو وہ ''فیزیقیاء'' سے موسوم کرتے ہیں جو آج کے مروج علم ''فزکس'' سے بہت قریب ہے۔ انھوں نے اس فن کی آٹھ شاخیں بیان کی ہیں۔

رسائل اخوان الصفا عہد عباسی کا ایسا مجموعۂ رسائل ہے جس میں مختلف علوم وفنون پر بحث کی گئی ہے۔ ان علوم وفنون میں طبیعیات/طبعیات بھی شامل ہے۔ رسائل اخوان الصفاء کے سترہ رسائل میں اس علم کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے جیسے 'مادہ کیا ہے؟، مدوجزر کیسے بنتا ہے؟، عناصر کی تشکیل کیونکر ہوتی ہے؟، زلزلہ، گرہن اور صوتی لہروں کے اسباب کیا ہیں؟' وغیرہ۔

امام ابن سینا نے بھی طبیعیات/طبعیات میں اپنے فضل وکمال کا اظہار کیا ہے۔ بقول پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی بعض علماء نے انھیں طبیب وحکیم سے زیادہ بڑا ماہر طبعیات قرار دیا ہے۔ انھوں نے سارٹن کا قول بھی نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس فن کے تمام اہم موضوعات پر اپنے نظریات وتحقیقات کو پیش کیا ہے۔ امام ابن سینا اجسام طبعی کی حرکات وسکون، خلاء، روشنی، حرارت اور کشش ثقل پر عمدہ بحثیں کی ہیں۔

ابوریحان بیرونی نے بھی طبیعیات/طبعیات اپنے لازوال کارنامے ثبت کیے ہیں کہ انھوں نے ہی سب سے اس بات کو دریافت کیا تھا کہ روشنی کی رفتار آواز کی رفتار سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح انھوں نے پانی کے دباؤ پر بھی اپنی تحقیقات کو اچھے انداز میں پیش کیا ہے

مذکورہ بالا ماہرین فن کے علاوہ ابوالبرکات بغدادی (م ۵۴۷ھ)، ابن مسکویہ، ابومعشر بلخی اور ابن ہیثم (م ۴۳۰ھ) نے بھی مذکورہ فن میں اپنے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں کہ اول الذکر نے متحرک اشیاء کی حرکت پر بحث کی ہے جس کے نتیجہ میں حرکیات (Dynamics) کی ایک خاص شکل وجود میں آئی تھی۔ ابن مسکویہ اور ابومعشر بلخی نے سمندر کے مدوجزر کا بنیادی سبب چاند کی کشش کو قرار دیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ تمام اجرام اور سیارے، سورج کی بے کراں کشش کی وجہ سے اس کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ مؤخر الذکر کی کتاب "کتاب المناظر" کا بنیادی موضوع تو چشم اور آنکھ ہے اور امراض چشم کی ایک بنیادی اور اہم کتاب گرادنی جاتی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے فزکس کے کئی مباحث جیسے بصریات، روشنی، آئینہ وغیرہ کو بھی بیان کیا ہے۔ چاند و سورج گرہن پر بھی انھوں نے عمدہ تحقیقات پیش کی ہیں۔

3.5.3 طب (میڈیسن)

فن طب کو بنیادی طور دو زمروں - عملی طب اور نظریاتی طب - میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ عملی طب ہر جگہ اور ہر زمانہ میں موجود رہا ہے لیکن اس موضوع پر کوئی سرمایہ موجود نہیں ہے کہ وہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا اور معاشرہ کی ضروریات کو پوری کرتا رہا۔ نظریاتی طب/علمی طب کا آغاز عہد نبوی سے ہوتا کہ بعض احادیث میں مختلف اشیاء کی صفات وفوائد کا ذکر ملتا ہے۔ ان احادیث کو طب نبوی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بعد کے علماء جیسے ابن قیم الجوزیہ (م ۷۵۱ھ) نے طب نبوی پر مشتمل تمام روایات کو یکجا کر کے اسے کتابی شکل دے دی۔

اموی دور میں بھی اس فن کے دونوں پہلوؤں - عملی اور نظری - پر کام کیا گیا اور خالد بن یزید کی کوششوں سے پہلی مرتبہ یونان کے نظریاتی طب کا تعارف اسلامی دنیا میں کرایا گیا۔ دیگر اموی خلفاء - خصوصا خلیفہ مروان بن حکم - نے بھی اس فن کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

عہد اموی میں پروان چڑھنے والے علم طب پر عہد عباسی پوری طرح برگ وبال آجاتے ہیں کہ اس عہد میں جتنی ترقی اس علم میں ہوئی اس کی کوئی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی ہے۔ عباسی خلفاء نے یونانی طب کی تمام اہم اور بنیادی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کروایا تھا جس نے اسلامی/عربی علم طب کے فروغ میں بنیادی کردار ادا کیا تھا۔

فن طب کا آغاز وارتقاء تو یونان و ہند میں ہوا لیکن اس کو ایک خاص منہج دینے اور قالب میں ڈھالنے کا فریضہ عرب اطباء عہد عباسی نے دیا تھا۔ پتھری نکالنے اور چیچک کا علاج مسلم اطباء کی اولیات میں سے ہے۔ انھوں نے یونانی، ایرانی اور ہندوستانی علم طب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت جلد اپنی جداگانہ راہ بنالی۔ انھوں نے قدیم طبی سرمایہ میں پائی جانے والی غلطیوں کی نشاندہی کی۔ نت نئے تجربات سے فن طب کا دامن اس قدر وسیع اور مالا کر دیا کہ ان کے پروان کردہ علم طب کی بنیادوں پر ہی یورپ میں یہ فن کچھ اس طرح پروان چڑھا کہ آج صرف اسی کا بول بالا ہے۔

جدید طب کو فروغ دینے میں مسلمانوں کی کوششوں اور کاوشوں کا دخل ہے کہ انھوں نے ہی جنوبی اٹلی کے شہر سلرنو میں پہلا میڈیکل کالج کھولا تھا۔ بارہویں صدی میں یورپ کے مختلف شہروں میں جیسے بولونیہ، پادووہ اور پیرس میں جدید علوم کے فروغ کے لیے کئی یونیورسٹیاں قائم ہوئیں جہاں متقدمین کی عربی کتابوں، خاص طور سے بوعلی سینا کی القانون في الطب، امام رازی کی المنصوری کے تراجم کی روشنی میں تعلیم وتدریس کے فرائض انجام دیے جاتے تھے۔

فلسفہ اور دوسرے یونانی علوم وفنون کی طرح علم طب کے بھی تین بڑے مراکز - اسکندریہ (مصر)، جندی سابور (ایران) اور حران (عراق) - تھے۔ ان مراکز میں سے جندی سابور کا مرکز کافی قدیم اور ترقی یافتہ تھا۔ مشہور ایرانی بادشاہ نوشیروان کے عہد میں اس مرکز نے کافی ترقی کی تھی۔ اس مرکز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عباسی خلیفہ منصور نے اپنے علاج کے لیے وہیں سے جورجیس بن بختیشوع جیسے ماہر فن کو بلایا تھا۔ عہد عباسی میں ان طبی مراکز میں بغداد کے مرکز کا اضافہ ہوا تھا۔

عہد عباسی کے مشہور اطباء میں یعقوب کندی (م ۲۵۷ھ) مؤلف طبقات الأطباء، عملی اور نظری طب کے ماہر، چیچک کا علاج دریافت کرنے والے اور رَے اور بغداد کے شفاخانے کے نگراں (ڈین/انچارج) محمد بن زکریا رازی (۳۲۰ھ) مؤلف المنصوري، کتاب الحاوي، سر الطب، المرشد، کتاب التفهيم والتشجير، کتاب الجدري والخصبة اور کتاب الطب الملوكي وغیرہ، مختلف دواؤں کے موجد موفق بن علی ہروی (م ۳۴۰ھ) مؤلف حقائق الأدوية، امراض چشم کے ماہر اور موتیابند کا آپریشن کرنے والے ابوالقاسم عمار موصلی (م ۳۸۸ھ) مؤلف علاج العين، مشہور فلسفی وطبیب ابن مسکویہ (۴۲۱ھ) مؤلف کتاب الأشربة اور کتاب البطيخ، شیخ بوعلی بن سینا (م ۴۲۸ھ) مؤلف کتاب القانون في الطب، کتاب الأدوية القلبية اور کتاب القولنج اور امراض چشم کے ماہر علی بن عیسی (م ۴۴۱ھ) مؤلف تذكرة الكحالين وغیرہ شامل ہیں جن کے تجربات، مشاہدات اور علمی کاوشوں پر جدید علم طب اور میڈیکل سائنس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

عہد عباسی کے دیگر اطباء میں ابن وافد نے علاج بالغذاء کا طریقہ متعارف کرایا تھا۔ اس طریقہ علاج کو کئی اطباء نے اختیار کیا تھا۔ حکیم ابوالبرکات نے خاص وبائی مرض میں انگلیاں چیرنے یا کاٹنے کا طریقہ ایجاد کیا تھا، اسی طرح عہد عباسی کے مسلم اطباء نے حفظان صحت کے اصول بیان کیے اور تشخیص وعلاج کے نت نئے طریقے ایجاد کیے تھے۔

3.5.4 ریاضی، ہندسہ اور حساب

عرب روزمرہ کی زندگی میں کام آنے والے حساب وکتاب سے واقف تھے لیکن اس کی فنی حیثیت سے اسی وقت واقف ہو سکے جب اس فن کی یونانی اور ہندوستانی

کتابوں کو عربی کا جامہ پہنایا گیا۔ان کتابوں کے تراجم سے استفادہ کرتے ہوئے انھوں نے اس فن میں نمایاں کامیابیاں حاصل کیں اور ریاضی کے علمی سرمایہ میں گرانقدر اضافے کیے۔

مسلم علماء وفضلاء نے ریاضی، ہندسہ اور حساب اور اس کی مختلف شاخوں کے حوالہ سے اہم کارنامے انجام دیے ہیں جو آگے چل کر یورپ میں پروان چڑھنے والے مذکورہ فنون کے لیے خشت اول ثابت ہوئے تھے۔ بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف الاسلامیۃ 'الجبرا کے لفظ سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے بانی مسلمان ہیں۔امام خوارزمی کی کتاب ''الجبر و المقابلة'' کے انگریزی ترجمہ سے اہل یورپ نے کافی استفادہ کیا تھا۔مشہور مستشرق نالینو (Nalino)، مسلمانوں کو اس فن میں یورپ کا استاد مانتے ہیں'۔

مذکورہ مقالہ نگار مزید لکھتے ہیں 'فن ہندسہ کے بانی تو اہل ہند ہیں لیکن اس سے یورپ کو روشناس کرانے کا سہرا مسلمانوں کے سر بندھتا ہے۔انھوں نے اہل ہند کے اس فن سے استفادہ کرتے ہوئے مختلف مشینوں کی ایجاد میں بھی گرانقدر کارنامے انجام دیے تھے جن کی مدد سے وہ بہت سی عظیم الشان جنگوں میں کامیاب وکامران رہے تھے'۔

عہد عباسی میں- خاص طور سے عہد مامونی میں-فن ریاضی وحساب نے ترقی کے اہم مراحل طے کیے۔عہد مامون میں خانوادہ بنوشاکر نے اس فن کو پروان چڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔اس خاندان کے تمام افراد 'ریاضی کی تمام شاخوں مثلاً ہندسہ، علم الحیل والحرکات (Mechanics) اور اقلیدس وغیرہ کا خاص ذوق رکھتے تھے۔وہ نہ صرف اس علوم کے ماہر تھے بلکہ انھوں نے اس میں عجیب ونادر کتابیں لکھیں جو ''حیل بنوموسیٰ'' کے نام سے مشہور ہیں۔ذیل کی سطور میں چند اہم ماہرین فن کا ذکر کیا جارہا ہے۔

احمد عبداللہ حبش (م۲۱۴ھ) کا شمار عہد عباسی کے مشہور ریاضی دانوں میں ہوتا تھا۔انھیں علم مثلث کا ماہر مانا جاتا ہے۔انھوں نے ہی 'زاویہ کی چھ نشستوں میں فصل جیوب (Co-tangent) کا طریقہ دریافت کیا تھا اور قاطع (Secant) کا پتہ لگا کر اسے علم مثلث میں رواج دیا تھا۔اس کے علاوہ بھی ان کے دیگر کارنامے بیان کیے جاتے ہیں'۔

یحییٰ بن ابی منصور (م۲۱۴ھ) کو علم ریاضی کا فن اور شوق ورثہ میں ملا تھا کہ ان کے والد ابومنصور، خلیفہ منصور کے منجم اور ہیئت کے مشیر تھے۔یحییٰ بن ابی منصور نے اس فن میں گرانقدر سرمایہ چھوڑا ہے۔ان کے علمی سرمایہ کا ذکر علم نجوم کے تحت کیا جائے گا۔

حجاج بن یوسف مطر (م۲۱۴ھ) نے مقدمات اقلیدس جیسی جامع لکھی تھی۔مذکورہ فن میں ان کی دستگاہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے کتاب المجسطی کے عربی ترجمہ کی اصلاح وتہذیب کے فرائض انجام دیے تھے۔

ابوطیب سند بن علی (م۲۲۴ھ) کا شمار بھی اہم ماہرین فن ریاضیات میں ہوتا ہے، خاص طور سے علم ہندسہ میں انھیں زیادہ درک حاصل تھا۔ان کی مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا کہ انھوں نے احمد بن کثیر فرغانی (م۲۲۳ھ) کی اس غلطی کی اصلاح کی تھی جو انھوں نے نہر جعفری کی کھدائی کے وقت کی تھی۔ان کی کتابوں میں کتاب المنفصلات والمتوصلات، کتاب الحساب الهندي، کتاب الجمع والتفريق، کتاب القواطع، اور کتاب الجبر والمقابلة جیسی کتب شامل ہیں کا شمار فن ریاضی کی اہم کتابوں میں ہوتا ہے۔

عباس بن سعید جوہری (م۲۲۹ھ) کا شمار عہد مامونی کے اہم اور بڑے ریاضی دانوں اور ماہرین ہیئت میں ہوتا ہے۔انھیں ریاضی کی تمام شاخوں پر درک حاصل تھا۔وہ تفسیر اقلیدس اور کتاب الأشكال جیسی کتابوں کے مؤلف ہیں۔بقول پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی مؤخر الذکر کتاب تفسیر اقلیدس کا ایک باب/ مقالہ ہے۔

خانوادہ بنوشاکر نے فن ریاضی کو پروان چڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔موسیٰ بن شاکر (م۲۱۳ھ) کا شمار عہد ہارونی کے علم ریاضی وہیئت کے ماہرین میں ہوتا ہے۔قطفی نے انھیں علم ہندسہ کا ماہر قرار دیا ہے۔ان کے تین بیٹے-محمد بن موسیٰ (م۲۵۳ھ)، احمد بن موسیٰ (م۲۶۰ھ) اور حسن بن موسیٰ (م۲۵۴ھ)- تھے جو بنوموسیٰ کے نام سے مشہور ومعروف ہیں۔انھوں نے اپنے علم وفضل سے اس فن میں چار چاند لگا دیے۔ان کا شمار اس فن کے ماہرین میں ہوتا تھا۔

موسیٰ بن شاکر کے پہلے بیٹے کا شمار ہندسہ، ہیئت، اقلیدس، مجسطی اور ریاضی کی تمام شاخوں کے ماہرین میں ہوتا ہے جب کہ دوسرے بیٹے احمد کو علم الحیل (میکانک) میں کمال حاصل تھا، ایک زمانہ تک اس فن میں ان کا کوئی مدمقابل نہیں تھا۔تیسرے بیٹے حسن کو علم ہندسہ پر قدرت حاصل تھی۔انھوں نے کچھ ایسے 'مسائل وعلوم ایجاد کیے تھے جن کا علم قدیم ماہرین فن کو بھی نہ تھا جیسے انھوں نے پہلی مرتبہ بتایا تھا کہ زاویہ کئی مساوی حصوں میں تقسیم ہوسکتا ہے'۔

موسیٰ برادران نے اس فن پر علمی سرمایہ بھی چھوڑا ہے جن میں سے اہم کتاب ''کتاب الحیل'' ہے جس کی مدد سے مختلف قسم کے آلات جیسے گھڑی اور ترازو وغیرہ بنائے گئے تھے۔موسیٰ برادران میں سے محمد بن موسیٰ نے ایک ایسا ترازو بنایا تھا جس کے ذریعہ سونے چاندی اور قیمتی دھاتوں کا صحیح وزن معلوم کیا جاسکتا تھا۔اسی طرح انھوں

نے ایک ایسا طریقہ بھی دریافت کیا تھا جس کے ذریعہ دو مقداروں کا تناسب معلوم کیا جا سکتا تھا۔

محمد بن موسیٰ خوارزمی (م ۲۳۲ھ) کا شمار اہم ترین ماہرین فن میں ہوتا ہے۔ وہ علم ریاضی کی شاخ الجبرا کے بانی و مبانی ہیں کی انھوں نے ہی اس موضوع پر قلم اٹھایا تھا اور الجبر و المقابلۃ جیسی عظیم الشان کتاب تصنیف کی تھی۔ اسی طرح ان کی دوسری کتاب علم الحساب کو اپنے موضوع پر پہلی کتاب قرار دیا جاتا ہے۔

ثابت بن قرہ حرانی (م ۲۸۸ھ) کا شمار بھی علم ریاضی و ہندسہ کے اکابر علماء میں ہوتا ہے۔ جیومیٹری سے انھیں خاص دلچسپی تھی۔ انھوں نے ہی اس اصول کو دریافت کیا تھا جس کی مدد سے 'کسی مرکب عدد کو اس کے چھوٹے اعداد پر باری باری سے پورا تقسیم کیا جا سکتا تھا جنھیں مرکب عدد کے ''اجزائے مرکبہ'' سے موسوم کیا جاتا ہے'۔ اس فن پر انھوں نے المباني الهندسية، تصحيح مسائل الجبر اور كتاب الهندسة جیسی کتابیں لکھی تھیں۔

ابو محمد عدلی قایینی (م ۳۷۷ھ) اپنے عہد کے ایک بڑے ماہر فن ریاضی تھے۔ ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ''زیج ثانی'' کی اصلاح کی تھی۔ ان کی یہ اصلاح ''زیج عدلی'' کے نام سے مشہور و معروف ہوئی حتی کہ وہ ان کے نام کا جز بن گئی۔ اس کے علاوہ انھوں نے كتاب المساحة جیسی کتاب بھی بطور یادگار چھوڑی ہے۔ ان کی دوسری کتاب الجبرا کے موضوع پر ہے۔ ان کا ایک کارنامہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے ہی سب سے پہلے 'تمام عالمی ریاضی دانوں کی فنی اعتبار سے درجہ بندی کی تھی'۔

ابوالوفاء بوزجانی (م ۳۸۸ھ) کے ذکر کے بغیر عہد عباسی کے ماہرین ریاضی، حساب اور ہندسہ کی فہرست مکمل نہیں ہو سکتی ہے۔ ان کی تمام تالیفات ریاضی کے موضوع پر ہیں۔ انھیں علم حساب پر بھی کمال و قدرت حاصل تھی۔ انھوں نے ہی جیومیٹری کے دائرہ کے اندر منتظم کثیر الاضلاع (Regular Polygons) اور منتظم مسبع / سات اضلاع کی شکل (Regular Heptagon) کے آسان طریقہ کو دریافت کیا تھا۔

ابوریحان بیرونی، محمد بن احمد (م ۴۴۰ھ) کا شمار ان علماء میں ہوتا جن کی خدمات اور کارناموں کا دائرہ کافی وسیع ہے اور انھوں نے مختلف میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ مختلف علوم و فنون میں ان کے مقام و مرتبہ سے قطع نظر فن ریاضی و حساب میں بھی انھوں اپنے فضل و کمال کا اظہار کیا ہے۔ ان کی کتاب الآثار الباقية کا شمار فن ریاضی کی اہم کتب میں ہوتا ہے جس میں دیگر علوم و فنون سے بھی بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح انھوں نے اپنی کتاب القانون المسعودي میں علم مثلث پر انھوں نے عمدہ بحث کی ہے۔

ابوالحسن علی احمد نسوی (م ۴۴۰ھ) کا شمار بھی عہد عباسی کے مشہور ریاضی دانوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اس فن میں کئی اصول و قواعد ایجاد کیے تھے جیسے جذر اور جذر مکعب کا طریقہ، اعشاریہ اور حساب ستین کے اصول و قواعد۔ مؤخر الذکر کی مدد سے وقت کی تقسیم کا پیمانہ مقرر کیا تھا جو ساٹھ پر مبنی ہے کہ ایک منٹ ساٹھ سیکنڈ کا ہوگا اور ایک گھنٹہ ساٹھ منٹ پر مشتمل ہوگا۔ مزید برآں انھوں نے کچھ کتابیں بھی بطور یادگار چھوڑی ہیں جن میں سب مشہور کتاب کا تعلق عملی حساب سے ہے۔

عمر خیام، عمر بن ابراہیم (م ۵۲۶ھ) کو دنیا صرف اس کی لازوال رباعیوں کے حوالہ سے جانتی ہے جب کہ انھوں نے دیگر علوم و فنون میں بھی انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ وہ ایک ماہر ریاضی و ہندسہ و حساب داں تھے۔ انھوں نے مذکورہ فن پر کئی کتابیں بطور یادگار چھوڑی ہیں جیسے المكعبات، الجبر و المقابلة۔ مؤخر الذکر کتاب میں انھوں نے موضوع کے نت نئے گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔ مزید برآں انھیں الجبرا کے میدان میں مسئلہ دورقمی (Binomial Theorium) کا موجد سمجھا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا اہم اور باکمال ماہرین فن کے علاوہ نوبخت (م ۱۵۷ھ)، ان کے بیٹے فضل (م ۱۹۷ھ) محمد بن جابر بنانی (م ۳۰۵ھ)، محمد بن احمد خوارزمی (م ۳۶۱ھ)، ابوسہل وَیجَن بن رستم (م نحو ۳۹۰ھ) ابوالحسن کوشیار (م ۴۵۹ھ)، مظفر اسفرازی (م ۵۱۵ھ) موجد میزان آرشمیدس، ابوعباس لوکری، ابوفتح کوشک اور ابن رقیقہ (م ۶۳۵ھ) نے بھی فن ریاضی و ہندسہ میں شاندار کارنامے انجام دیے ہیں۔

3.5.5 علم ہیئت اور نجوم

علم ہیئت و نجوم کا شمار بھی ان علوم و فنون میں ہوتا ہے جن سے عرب تحریک ترجمہ کے واسطہ سے واقف اور روشناس ہوئے تھے جس کی خشت اول عہد اموی میں ڈالی جا چکی تھی لیکن دیگر علوم کی طرح انھوں نے اس علم میں بھی جلد ہی اپنا لوہا منوالیا اور اہم و بنیادی علمی سرمایہ فراہم کیا۔ لہذا یہ کہنا کہ اس علم کو پروان چڑھانے میں مسلمان علماء و فضلاء کی کوششوں کا بہت زیادہ دخل ہے تو غلط اور بیجا نہیں ہوگا۔ بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف الاسلامیۃ 'اس فن کو فن کے درجہ تک پہنچانے کا سہرا صرف مسلم علماء، خاص طور سے عہد عباسی کے علماء کے سر بندھتا ہے۔ انھوں نے اپنے مدمقابل آسماں پر پائے جانے والے ستاروں کی ایک فہرست تیار کی تھی اور جس نام سے ان ستاروں کو موسوم کیا اس میں آج تک تبدیلی نہیں کی جا سکی۔ اس فن میں علمائے یورپ نے اپنا پہلا قدم مشہور منجم و ہیئت داں فرغانی کی کتاب ''مبادیات علم النجوم'' کی روشنی میں اٹھایا تھا'۔

قبل اس کے کہ عہد عباسی میں پروان چڑھنے والے مذکورہ فن کا جائزہ لیا جائے اس بات کی وضاحت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علم ہیئت، علم نجوم، علم ریاضی، ہندسہ اور حساب کا آپس میں بہت ہی گہرا تعلق ہے اور وقتاً فوقتاً ایک دوسرے سے استفادہ ملزوم میں کی جو ہیئت و نجوم کا ماہر ہوگا وہ ریاضی و ہندسہ کا کم از کم ریاضی کا بھی ماہر ہوگا' یہی وجہ

ہے عہد عباسی کے بہت سے علماء وفضلاء مذکورہ بالا تمام فنون میں یکساں قدرت ودست گاہ رکھتے تھے۔

اسی طرح اس بات کی وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مذکورہ علم وفن کا مدلول علم الافلاک (Astronomy) ہے نہ کہ علم جیوتش (Astrology) جسے ایک غیر علمی فن گردانا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس فن کے مسلم عرب ماہرین اپنے علم وفن اور تجربہ کی روشنی میں کبھی کبھار پیشن گوئیاں بھی کرتے رہے ہیں۔

عباسی خلیفہ منصور کو اس علم سے خاصا شغف ودلچسپی تھی جس کے نتیجہ میں اس علم نے ترقی کی کئی منازل طے کر لی تھی۔ دیگر عباسی خلفاء جیسے خلیفہ مہدی، خلیفہ ہارون رشید اور خلیفہ مامون کو بھی اس فن سے بہت شغف ودلچسپی تھی لہذا یہ علم دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا چلا گیا۔

درج ذیل سطور میں مذکورہ بالا فن کے ان ماہرین کا ذکر کیا جارہا ہے جن کا تعلق عہد عباسی سے تھا۔

ابراہیم بن حبنب (م۱۵۷ھ) کا شمار متبحر ہیئت دانوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اجرام فلکی کا بہت گہرا مطالعہ کیا تھا جس کے نتیجہ میں وہ نت نئے نتائج پر پہنچے تھے۔ انھوں نے ایک اصطرلاب بھی بنایا تھا۔ انھیں علم الحیل (علم میکانک) میں بھی خاصا درک تھا اور انھوں نے کئی متحرک آلات بھی بنائے تھے۔

ماشاءاللہ (م۱۹۷ھ) نے علم ہیئت کے موضوع پر اپنے مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں ایک اہم کتاب لکھی تھی اور اسے ستائیس ابواب میں تقسیم کرتے ہوئے اس میں نادر اور فنی تحقیقات کو پیش کیا تھا۔

یحییٰ بن ابی منصور (م۲۱۴ھ) کو علم ہیئت ونجوم کا فن اور شوق ورثہ میں ملا تھا کہ ان کے والد ابو منصور، خلیفہ منصور کے منجم اور ہیئت کے مشیر تھے۔ یحییٰ کو خلیفہ مامون نے رصدگاہ منصوریہ (بمقام محلّہ شماسہ، بغداد) اور رصدگاہ مامونیہ (بمقام قاسیون، دمشق) کا مہتمم بنایا تھا۔ مؤخر الذکر رصدگاہ کی تعمیر میں بھی انھوں اہم خدمات انجام دی تھیں۔ انھیں ستاروں کی رفتار معلوم کرنے پر ملکہ حاصل تھا۔ انھوں کتاب الزيج الممتحن ،كتاب الارصادلة اور مجموعة رسائل أبى جماعة في الارصاد جیسی کتب تالیف کی تھی۔

یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مذکورہ بالا دونوں رصدگاہ کی تعمیر میں یحییٰ بن ابی منصور کے ساتھ اس عہد کے دیگر مشہور ومعروف منجمین اور ہیئت دانوں میں سے عباس بن سعید جوہری (م۲۲۹ھ)، ابوطیب سند بن علی (م۲۲۴ھ) اور خالد بن عبدالملک مرورزی (م۲۳۱ھ) نے بھی اہم کردار ادا کیا بلکہ یہ کہا جائے کہ یہ دونوں رصدگاہیں اس فن کے تئیں ان کی دلچسپی اور لگن کا منھ بولتا ثبوت ہیں تو بیجا نہیں ہوگا۔ ان رصدگاہوں میں وہ مطالعات، تحقیقات اور تجربات میں مشغول رہتے تھے اور ان کے نتائج کو کتابی شکل میں مرتب کر دیتے تھے۔

اول الذکر ہیئت داں نے زیج کے موضوع پر ایک اور اقلیدس کے موضوع پر دو کتابیں بطور یادگار چھوڑی ہیں۔ ثانی الذکر کا شمار اصطرلاب اور آلات رصد کے بنانے والوں میں شمار ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ماہر انجینئر اور قابل معمار بھی تھے۔ ان کی متعدد کتابوں کا ذکر فن ریاضی کے تحت کیا جاچکا ہے جن میں ہیئت کے مباحث بھی پائے جاتے ہیں جبکہ مؤخر الذکر نے اجرام فلکی کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور ایک زیج بھی مرتب کی تھی۔ وہ قاسیون کی رصدگاہ کے نگراں بھی تھے۔

احمد بن کثیر فرغانی (م۲۲۳ھ) کا شمار بھی عہد عباسی کے مشہور منجمین اور ہیئت دانوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اس موضوع پر ایک اہم کتاب ''جوامع علوم النجوم'' لکھی تھی جو ایک انسائیکلوپیڈیا کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ دھوپ گھڑی (Sundail) کے موجد بھی ہیں۔

علی بن عیسی اصطرلابی (م۲۲۴ھ) کا علم ہیئت میں مقام ومرتبہ بہت بلند ہے۔ وہ اصطرلاب بنانے کے بھی ماہر تھے۔ ان کی مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اصطرلابی کا لفظ ان کے نام کا جز بن گیا تھا۔ انھوں نے اجرام فلکی کے درمیان مسافت ناپنے کا طریقہ ایجاد کیا تھا اور اس کے لیے ایک آلہ ''آلہ سدس'' (Sextant) بنایا تھا۔ اس کے علاوہ دیگر آلات کی ایجاد کا سہرا بھی انھیں کے سر بندھتا ہے تاہم ان کسی کتاب کا پتہ نہیں چلتا ہے۔

ثابت بن قرہ حرانی (م۲۸۸ھ) کا ذکر عہد عباسی کے ماہرین ریاضی میں کیا جاچکا ہے۔ انھیں علم ہیئت اور نجوم میں بھی کافی درک تھا۔ اس موضوع پر انھوں ترکیب الأفلاك ،طوابع الكواكب ،الهئية،علة الكسوف والخسوف ،الرصداور العمل في الكرة جیسی کتابیں لکھی تھیں۔ انھوں نے ایک رصدگاہ بھی قائم کی تھی جہاں وہ اجرام فلکی کا مطالعہ کرتے تھے اور نتائج کو قلم بند کرتے تھے۔ ساتھ ساتھ وہ رصدگاہ کے نگراں اور مہتمم بھی رہے تھے۔

جابر بن سنان (م۲۹۱ھ) عہد عباسی کے مشہور ماہر ہیئت اور نجوم تھے۔ انھوں نے اس میدان میں عملی کارنامے انجام دیے ہیں کہ کئی آلات رصد کی نسبت ان کی جانب کی جاتی ہے۔ انھوں نے ایک ایسا اصطرلاب بنایا تھا جس کے ذریعہ زمین سے اجرام فلکی کی مسافت ناپی جاسکتی تھی۔ اس اصطرلاب کو اصطرلاب کروی (Spherical Astrolabe) سے موسوم کیا جاتا ہے۔ چند متحرک آلات بنانے کا سہرا بھی ان کے سر باندھا جاتا ہے۔

محمد بن جابر بتانی (م۳۰۵ھ) نے علم ہیئت ونجوم میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ خوارزمی کے بعد وہ سب سے بڑے ہیئت داں سمجھے جاتے ہیں۔ اس فن میں ان

کی مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ'انھوں دائرۃ البروج(Inclination of Ecliptic) کی صحیح پیائش بیان کی ہے اور نقاط اعتدالین کے جھکاؤ (Trepidation of equinoxes) کوغلط ثابت کیا ہے۔انھوں نے اپنے حاصل مطالعہ کوزیج البنانی میں نقل کردیا ہے۔اس کتاب میں انھوں زمین کی گردش اور سورج کے متعلق کئی تحقیقات کو بیان کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ انھوں نے علم ہیئت کے متعلق کئی جدول(Tables) تیار کیے تھے'۔

محمد بن احمد خوارزمی (م۳۶۱ھ) کا شمار'عظیم ترین مسلم ہیئت دانوں'میں ہوتا ہے۔

ابومحمد عدلی قاینی (م۳۷۷ھ) اوران کے کارناموں کا ذکرفن ریاضی میں کیا جاچکا ہے۔انھیں فن ہیئت میں بھی کافی مہارت حاصل تھی۔ان کی مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے محمد بن جابر کی زیج میں اصلاح کی تھی،انھوں نے اپنی خود ایک زیج مرتب کی تھی۔

ابن یونس صوفی (م۳۹۵ھ)'فن ہیئت اور علم نجوم کے ماہر تھے۔انھوں نے دائرۃ البروض کے انحراف کی صحیح تعیین کی اوراوج شمس کا اندازہ لگایا تھا۔

ابوالوفا جوزجانی (۳۸۸ھ) عہدعباسی کے عظیم ہیئت داں تھے۔انھوں اس موضوع پرکتاب المنازل اورکتاب الزیج جیسی کتابیں بھی لکھی ہیں جن کا شمار اس فن کی اہم کتب میں ہوتا ہے۔ان کے ہیئتی کارناموں میں سورج کی کشش کا پتہ چلانا اور چاند پراس کے مرتب ہونے والے اثرات کا ذکر کرنا ہے۔ان کا نظریہ اختلال قمر ایک اہم نظریہ مانا جاتا ہے۔انھوں زاویوں کے جیب(Sine) کا نیا اصول دریافت کیا تھا اوراس کی مدد سے ایک درجہ سے لے کرنوے درجہ تک کے تمام زاویوں کے جیوب کی صحیح تعیین کی ہے۔

عمر بن خیام (م۵۲۶ھ) نے علم ہیئت ونجوم میں اپنے لازوال کارنامے ثبت کیے ہیں کہ''انھوں نے شمسی اور قمری تقویموں میں اصلاح کی،ان میں توافق کے طریقے ایجاد کیے،موسمیات پر تحقیقات پیش کیں اور لوند سال(Leap year) کا جدید طریقہ نکالا،سال کے دنوں کی صحیح تعداد مقرر کی اور بہت سے دوسرے کارنامے انجام دیئے''۔

مذکورہ بالا علم ہیئت ونجوم کے ماہرین واکابرین کے علاوہ فضل بن نوبخت(م۱۹۷ھ)،موسی بن شاکر(م۲۱۳ھ)،ان کے بیٹوں-محمد،احمد،حسن-،شیخ بوعلی ابن سینا(م۳۷۰ھ)،ابن اعلم علوی(م۳۷۹ھ)،احمد بن محمد بجستانی(م۴۳۳ھ)،علی نسوی(م۴۴۰ھ)،ابوریحان بیرونی،محمد بن احمد(م۴۴۰ھ)اورمظفر اسفرازی(م۴۶۰ھ) کا شمار بھی عہدعباسی کے اہم منجمین اور ہیئت دانوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اس موضوع پر گرانقدر کارنامے انجام دیے تھے۔

3.5.6 علم جغرافیہ

قرآن کےبطن سے پروان چڑھنے والے اہم علوم وفنون میں علم جغرافیہ کا بھی شمار ہوتا ہے۔اس علم میں مسلمانوں کی دلچسپی اورانہماک کا اندازہ سید سلیمان ندویؒ کے اس بیان لگایا جاسکتا ہے کہ'انھوں نے عرب کا ایک ایک پہاڑ،تالاب،وادی،چراگاہ،شہر،گاؤں،پڑاؤ،عمارت غرض ملک عرب کے ایک ایک ذرے کو گن ڈالا'۔فن جغرافیہ میں مسلمانوں کی خدمات کو اجاگر کرتے ہوئے اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے مقالہ نگار نے لکھا ہے''مسلمانوں نے علم جغرافیہ کو بھی بے حد ترقی دی انھوں نے دور دراز ممالک کے سفر کیے،تمام دنیا کے عجائبات دریافت کیے،حدود زمین کی پیائش کی اور مختلف اقوام وملل کے حالات لکھے۔اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کا علم جغرافیہ ذاتی مشاہدات پر مبنی ہے''۔

علم جغرافیہ کے پروان چڑھنے کا بنیادی سبب تو قرآن کریم ہی ہے تاہم اس فن کی ترویج میں حدیث نبوی اور سیرت نبوی نے بھی نمایاں کردار ادا کیا ہے کہ جن جن مقامات کا ذکران میں آیا تھا اس کی تحقیق وتلاش میں عرب جغرافیہ دانوں نے اپنی پوری توانائی صرف کردی تھی جس کا اندازہ سید سلیمان ندوی کے مذکورہ بالا قول سے لگایا جاسکتا ہے۔

علم جغرافیہ کے ابتدائی خدوخال تو عہد نبوی سے ہی ملتے ہیں لیکن عہد اموی تک اس علم میں کوئی اہم پیش رفت نہ ہوسکی تھی۔اس لحاظ سے اسے بھی ان علوم شامل کیا جاسکتا ہے جن کی بنیاد عہدعباسی میں رکھی گئی تھی۔

جغرافیہ،یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی''زمین کی تصویر'' ہے۔اصطلاحی طور پر اس سے وہ علم مراد لیا جاتا ہے جس میں زمین کے احوال یعنی مختلف دیار وبلاد، پہاڑ وندیاں اور وہاں کے باشندوں کی طرز زندگی کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔اس موضوع پر سب سے پہلے بطلیموس نے''جغرافیا'' نامی کتاب لکھی تھی جس کے عربی ترجمہ نے مسلمانوں میں اس فن کے تئیں دلچسپی پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔

اس علم میں مسلمانوں کی خدمات خاص طور سے عہدعباسی میں،کا جائزہ لینے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ انھیں دو بنیادی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

☆عرب کے جغرافیہ پر مشتمل کتب

☆عرب کے ساتھ ساتھ دیگر ممالک کے جغرافیہ پر مشتمل تالیفات

ذکورہ بالا دونوں قسم کی تالیفات میں مسلمان جغرافیہ دانوں نے پیش بہا خدمات انجام دی ہیں اور اپنی اپنی کتابوں میں مختلف انداز سے معلومات کا ذکر کیا ہے۔اس فن

میں کتاب النوادر از ابوزید کلابی کی کتاب کو عربی کی پہلی کتاب قرار دیا جاتا ہے۔ مصنف نے ۲۰۰ھ کے اواخر میں اس کتاب کو تالیف کیا تھا۔

عہد عباسی کے مشہور جغرافیہ دانوں میں ابوزید بلخی مؤلف صور الأقاليم ،،ابن خرداذبہ (م۲۸۰ھ) مؤلف المسالك والممالك ،احمد بن فضلان (م۳۰۹ھ) مؤلف جغرافیا، یعقوبی (۳۱۵ھ) مؤلف كتاب البلدان ،ابراہیم بن محمد اصطخری (م۳۴۶ھ) مؤلف صور الأقاليم اور مسالك الممالك، علی بن حسین مسعودی (م۳۴۶ھ) مؤلف مروج الذهب ومعدن الجوهر ،ابن حوقل، محمد بن علی (م بعد ۳۶۷ھ) مؤلف المسالك والممالك أو صورة الأرض ،محمد بن احمد مقدسی بشاری (م نحو ۳۸۰ھ) مؤلف أحسن التقسيم في معرفة الأقاليم ،محمد بن محمد ادریسی (م۵۶۰ھ) مؤلف نزهة المشتاق في ذكر الأمصار والأقطار والبلدان اور روض الانس ونزهة النفس المعروف بالممالك والمسالك ،اور یاقوت بن عبداللہ رومی حموی (م۶۲۶ھ) مؤلف معجم البلدان اور مراصد الاطلاع على أسماء الأماكن والبقاع وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ ''عرب جغرافیہ داں اصل میں سیاح تھے جنھوں نے عباسی دور میں دور دراز ممالک کی سیاحت کی اور ان کے متعلق چشم دید معلومات اپنے سفرناموں میں درج کیں۔ ان سفرناموں میں انھوں نے ملکوں کے حالات، ان کی جغرافیائی حیثیت اور ان کی تہذیب وتمدن پر روشنی ڈالی''۔ انھوں نے اپنے مشاہدات کی روشنی میں اپنی اپنی کتابیں مرتب کی تھیں جو ایک طرف علم جغرافیہ کا احاطہ کرتی ہیں تو دوسری طرف ''سفرنامے'' جیسی صنف کی خشت اول ثابت ہوئیں تھیں۔

عربوں نے جب اس موضوع پر قلم اٹھایا تو ان کے مصادر ومراجع میں یونانی جغرافیہ دانوں کی کتابیں خاص طور بطلیموس کی کتاب تھی لیکن انھوں نے جلد ہی اس فن میں اپنے یونانی اساتذہ کو پیچھے چھوڑ دیا حتی کہ انھوں نے بطلیموس کی کتاب میں پائی جانے والی غلطیوں کی نشاندہی بھی کردی۔ ادریسی کی کتاب نزهة المشتاق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک زمانہ تک وہ یورپ کے جغرافیہ نویسوں کا واحد مأخذ ومصدر تھا۔ اس فن میں مسلمانوں کے کمال ومہارت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اغلب الظن کے مطابق دنیا کا پہلا نقشہ مسلمانوں نے ہی بنایا تھا۔

عربوں میں جہازرانی کا شوق زمانۂ جاہلیت سے پایا جاتا ہے جس کو اسلام نے مزید مہمیز دے دی جس کے نتیجہ میں جہازرانی کا ایک مستقل فن وجود میں آگیا۔ اس فن پر لکھی جانے والی کتابوں الفوائد في أصول البحر والقواعد از ابن ماجد نجدی، العمدة المهرة في ضبط العلوم البحرية از سلیمان مہری وغیرہ کا تعلق کسی نہ کسی حد تک تعلق بھی علم جغرافیہ سے پایا جاتا ہے۔

3.5.7 علم معدنیات (Geology,Minerology)

عہد عباسی میں اس فن کا آغاز ارسطو کی کتب کے ترجمہ سے ہوتا ہے۔ مسلمان علماء نے اس فن میں گرانقدر کارنامے انجام دیے ہیں جس نے آگے چل کر کان کنی اور علم ارضیات جیسے فنون کو پروان چڑھایا تھا۔

اس فن کو علم کیمیاء سے یک گونہ تعلق ہے۔ عہد عباسی کے علماء نے قیمتی پتھروں کے خواص اور مختلف قسم کی معدنیات کو دریافت کیا تھا اور تجربات کو کتابی شکل میں ''جمریات'' کے عنوان سے پیش کیا تھا۔ اس میدان کے ماہرین میں جابر بن حیان (م۲۰۰ھ)، عطارد بن محمد حاسب (م۲۱۴ھ) ابوطیب سند بن علی (۲۲۴ھ)، یعقوب کندی (م۲۵۴ھ)، ابوریحان بیرونی، محمد بن احمد (م۴۴۰ھ) اور شہاب الدین طفاشی (م۶۵۱ھ) ہیں۔

مذکورہ بالا ماہرین فن نے اپنے تجربات کی روشنی میں اصلی اور نقلی دھاتوں کی پہچان، قیمتی پتھروں کے اوصاف اور مختلف قسم کی دھاتوں اور معدنیات کے متعلق قیمتی معلومات کو اپنی اپنی کتب میں بیان کیا ہے۔

اس فن کی اہم کتابوں میں کیمان المعادن، كتاب الجوهر الكبير، رسائل في الحجر از جابر بن حیان، الجواهر والأحجار از عطارد بن محمد حاسب، رسالة في أنواع الجواهر الثمينة اور رسالة في أنواع الحجارة والجواهر از یعقوب کندی، كتاب أزهار الأفكار في جواهر الأحجار از شہاب الدین طفاشی وغیرہ ہیں۔

اس فن کے نمایاں ماہرین میں ابوریحان بیرونی کا شمار ہوتا ہے۔ انھوں نے اس موضوع پر کئی کتابیں بطور یادگار چھوڑی ہیں جن میں سے الجماهر في معرفة الجواهر سب سے زیادہ مشہور ہے۔ انھوں نے اٹھارہ قیمتی پتھروں کی قدر ثقالت کی تقریباً صحیح حد متعین کی ہے۔

شہاب الدین طفاشی (م۶۵۱ھ) نے اپنی کتاب أزهار الأفكار في جواهر الأحجار میں پچیس قیمتی پتھروں کا مطالعہ کرکے ان کے مآخذ، جغرافیائی کیفیات، خالص ہونے کی قیمت اور طبی اوصاف پر بحث کی ہے۔ طفاشی کی کتاب کا شمار اس فن کی اہم کتابوں میں ہوتا ہے

3.5.8 علم نباتیات/نباتات(Botany)

یہ علم فن حیاتیات (Biology) کی ایک شاخ ہے جس نے آگے چل کر ایک مستقل فن کی شکل اختیار کر لی۔اس علم میں نباتات کے خواص واوصاف،ان کی اقسام،فوائد ونقصانات وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔اس فن کے ماہرین نے جڑی بوٹیوں کی ہزاروں اقسام دریافت کیں اوران کے اوصاف وخواص وغیرہ کو اپنی اپنی کتابوں میں اجاگر کیا ہے۔اس علم نے دواسازی اور رنگ سازی اور علم زراعت (Agronomy) کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

اس فن کی نمایاں تصانیف میں جابر بن حیان (م۲۰۰ھ) کی کتاب الدود،عبدالملک اصمعی (م۲۱۳ھ) کی کتاب النبات والأشجار ،جاحظ (م۲۵۵ھ) کی کتاب الزرع والنخل ،ابوحنیفہ دینوری (م۲۸۵ھ) کی کتاب النبات ،ابن وحشیہ،احمد بن علی (م بعد۲۹۱ھ) کی أسرار الطبیعیات في خواص النبات ،ابن سینا (م۳۷۰ھ) کی القانون في الطب ،محمد بن احمد تمیمی (م نحو۳۹۰ھ) کی ماهية الرمد وأنواعه وأسبابه وعلاجه اورالمرشد الی جواهر الأغذية،موفق بن علی ہروی کی کتاب الابنية عن حقائق الأدوية ،علی بن عیسی (م۴۲۱ھ) کی تذكرة الكحالين اورابوریحان بیرونی،محمد بن احمد (م۴۴۰ھ) کی الصيدلة في الطب، محمد بن محمد ادریسی (م۵۶۰) کی الجامع لصفات أشتات النبات وغیرہ شامل ہیں۔

3.5.9 علم حیوانات(Zoology)

اس علم کو پروان چڑھانے میں عباسی علماء وماہرین فن نے نمایاں خدمات انجام دیں ہیں۔یہ علم بھی دراصل فن حیاتیات (Biology) کی ایک شاخ ہے جس نے آگے چل کر ایک مستقل فن کی شکل اختیار کر لی۔اس فن پر سب سے پہلے جاحظ (م۲۵۵ھ) نے قلم اٹھایا تھا۔ان کی کتاب ''کتاب الحیوان '' بقول پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی ''طبعی خصائص سے زیادہ مذہبی اورافسانوی چیزوں پر زور دیتی ہے لیکن وہ اس فن کی اولین کتابوں میں ہے،اس میں بہرحال نظریۂ ارتقاء،حیوانی نفسیات وجبلت کا اچھا بیان پایا جاتا ہے''۔

اس فن میں نمایاں کردار ادا کرنے والے علماء میں ابوعبیدہ معمر بن مثنی (م۲۰۹ھ) ہیں۔انھوں نے اس موضوع پر تقریباً سو سے زائد کتابیں بطور یادگار چھوڑی ہیں جن میں سے نصف کتابیں صرف گھوڑے،ان کی اقسام،عادات وخصائل اور دیگر متعلقات کو بیان کرتی ہیں اور باقی ماندہ کتابیں دیگر حشرات ارض جیسے اونٹ،بھیڑ،بکری،سانپ،بچھو وغیرہ سے بحث کرتی ہیں۔ان کی کتابوں میں طبقات الفرس،کتاب الخیل،کتاب الحیات اورکتاب العقارب جیسی کتب شامل ہیں۔

عبدالملک اصمعی (م۲۱۳ھ) نے بھی اس فن پر قلم اٹھایا ہے۔انھوں نے کتاب الخیل،کتاب الابل،کتاب الوحوش،کتاب الشاۃ جیسی کتب لکھی ہیں۔

مشہور فلسفی کندی نے بھی اس موضوع پر لکھا ہے لیکن ان مطالعہ کے محور کا زیادہ حصہ پرندوں پر مشتمل ہے۔انھوں نے اپنے حاصل مطالعہ کو رسالة في الطائر الانسي،رسالة في تمريخ الحمام،رسالة في النخل،اور رسالة في الحشرات جیسے رسائل میں پیش کیا ہے۔

عہد عباسی کے دیگر علماء نے بھی اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے لیکن انھوں نے اپنے حاصل مطالعہ کو مستقل کتب میں پیش کرنے کی بجائے انھیں منتشر انداز میں نقل کیا ہے جیسے ابن سینا نے کتاب الشفاء میں حیوانات کی نفسیات کو اجاگر کیا ہے اور ابن مسکویہ نے نظریۂ ارتقاء پر بحث کرتے ہوئے حیوانات کے بارے میں عمدہ بحث کی ہے۔اسی طرح ابن قتیبہ دینوری نے عیون الأخبار میں اس علم کے کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

دوران اکائی معلومات کی جانچ

1-عہد عباسی میں علم معدنیات کے فروغ پر روشنی ڈالیے۔

2-عہد عباسی میں علم جغرافیہ کے فروغ پر ایک نوٹ لکھیے۔

3.6 سماجی علوم

3.6.1 علم تاریخ

قرآن کریم کے زیر اثر پروان چڑھنے والے علوم میں علم تاریخ بھی ہے جسے پروان چڑھانے میں مسلمان مؤرخین نے اہم کردار ادا کیا ہے۔اردو دائرہ المعارف الاسلامیہ کے مقالہ نگار کے بقول'' قرآن مجید میں رسول اکرم ﷺ سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک بیشتر انبیاء اور بہت سی قدیم اقوام کا ذکر ہے۔اس لیے ابتدائے آفرینش سے حضور ﷺ کی بعثت تک تاریخ جمع کرنا ایک طرح سے قرآن مجید کی خدمت میں داخل ہے''۔تاریخ کے پروان چڑھنے میں قرآن کی اثر پذیری کا ذکر کرتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں:''یہ قرآن مجید ہی کا اثر تھا کہ علم تاریخ کو مسلمانوں نے سنبھالا اور ہر نوع کی تاریخ کو بڑی شرح وبسط اور تحقیق وتدقیق سے لکھا''لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں سے قبل

تاریخ کا فن تو ہم ،خرافات،قصہ اور داستان پر مشتمل محض واقعات کا مجموعہ تھی جس میں سند کا التزام نہیں کیا گیا تھا۔مسلمان مؤرخین نے اس فن کو علمی بنیادوں پر قائم کیا تھا اور شہادت،روایت اور درایت کو بروئے کار لاتے ہوئے اس فن کو پروان چڑھانے میں ،خاص طور سے عہد عباسی میں ،نمایاں اور اہم کردار ادا کیا تھا۔

تاریخ کے لغوی معنیٰ ''وقت کی نشاندہی'' یا ''وقت بتانا'' ہے۔اصطلاحی طور اس سے وہ علم مراد لیا جاتا ہے ''جس کے ذریعے قوموں کے احوال،ان کے دیار وبلاد،عادات ورسوم،ان کے انساب اور تاریخ ولادت ووفات وغیرہ جیسے امور معلوم کیے جاتے ہیں۔اس علم کا موضوع گزشتہ اشخاص مثلا انبیا واولیا،علماوحکما،سفرااور ملوک وسلاطین کے حالات وواقعات ہیں۔اس کی غرض گزشتہ احوال سے آگاہی اور اس کا فائدہ،ان حالات سے عبرت پذیری ہے''۔

علم تاریخ کی ابتداءسیرت نبوی سے ہوتی ہے کہ قرآن میں چند مقامات وواقعات،چند قوموں اور حکومتوں کی طرف اشارے کیے گئے ہیں جن کی تحقیق نے مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سیرت نبوی کو مدون ومرتب کریں۔سیرت نبوی کے جلو میں سیرت صحابہ،عام سوانح نگاری اور اسماءالرجال جیسے فنون پروان چڑھے۔اردو دائرہ المعارف الاسلامیہ کے مقالہ نگار کے بقول ''مغازی کی ہر دلعزیزی،عام فتوحات کی تاریخ نویسی کا موجب بنی''۔

تاریخ نویسی کی بنیاد عہد اموی میں ڈالی گئی کہ حضرت معاویہؓ کی فرمائش پر عبید بن شریہ نے '' كتاب الملوك وأخبار الماضيين ''نامی کتاب لکھی تھی جسے علم تاریخ کی پہلی کتاب بھی قرار دیا جاتا ہے۔عہد اموی میں اس موضوع پر قلم اٹھانے والوں میں زیاد بن ابیہ،ابومخنف،عوانہ بن حکم اور وہب بن منبہ وغیرہ شامل ہیں۔ان اوائل مؤرخین کی کتابیں زمانہ کی دست وبرد کا شکار ہو چکی ہیں بس ان کا ذکر مصادر میں پایا جاتا ہے۔

عہد عباسی میں اس فن کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا کہ اس کی مختلف شکلیں سامنے آئیں بلکہ یہ کہا جائے کہ حقیقی تاریخ نویسی کا آغاز اسی عہد میں ہوا تو بیجا نہیں ہوگا۔عہد عباسی کے دور اول میں تاریخ نویسی،سیرت نبوی اور مغازی کی شکل میں سامنے آئی تھی جس کی وجہ سے اسے سیرت ومغازی کا دور کہا جاتا ہے۔اس عہد کی مشہور کتب سیرت ومغازی میں ابن اسحاق(م۱۵۱ھ)،ابن ہشام(ھ۲۱۸ھ)،واقدی(م۲۰۷ھ)اور ابن سعد(م۲۳۰ھ) کی کتب سیرت ومغازی شامل ہیں۔عہد عباسی میں لکھی جانے والی کتب سیرت کا ذکر سوانحی ادب کے تحت کیا جا چکا ہے۔

دوسرے دور میں فتوحات کی کثرت اور اسلامی رقبہ کی وسعت کی وجہ سے تاریخ نویسی نے سیرت ومغازی کی جگہ لے لی اور مؤخر الذکر فن نے ایک مستقل فن کی شکل اختیار کر لی۔تیسری صدی ہجری میں فن تاریخ میں ایک نیا موڑ آتا ہے کہ بلاد،اقوام اور اشخاص کے حالات تفصیل کے ساتھ لکھے جانے لگے جس کی بنیادی وجہ اسلامی حکومت کا چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہونا تھا۔بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ ''بلدان اور اقوام واشخاص کے حالات تفصیل سے لکھے گئے،سلاطین نے اپنے محاسن کو ضبط تحریر میں لانے کے لیے مختلف ادبا کو مقرر کیا۔اس دور میں سیاسی انقلاب کی وجہ سے سلطنتوں کی جداگانہ تاریخ کا رواج ہوا''۔

عہد عباسی کے مشہور مؤرخین میں احمد بن یحییٰ بلاذری(م۲۷۹ھ)،محمد بن جریر طبری(م۳۱۰ھ)،علی بن حسین مسعودی(م۳۴۶ھ)، احمد بن اسحاق یعقوبی(م۳۱۵ھ)،ابن مسکویہ،احمد بن محمد(۴۲۱ھ)،خطیب بغدادی،احمد بن علی(م۴۶۳ھ)،ابن عساکر،علی بن حسن(م۵۷۱ھ)،ابن اثیر،علی بن محمد(م۶۳۰ھ)،،ابن ایاس،حمزہ اصفہانی،ابن جوزی(م۵۹۷ھ)اور عبدالرحمٰن بن محمد ادریسی وغیرہ شامل ہیں۔

فن تاریخ پر مسلمان مؤرخین نے کتابوں کے انبار لگا دیے ہیں جن میں کچھ کتابیں حدیث کی طرح سند کے ساتھ مرتب کی گئیں تو کچھ کتابوں کو سنین کے اعتبار سے مرتب کیا گیا تو کچھ کتابیں حکمراں خاندان کے لحاظ سے مرتب کی گئیں۔مذکورہ بالا تمام طریقوں میں ''سنین'' کے اعتبار سے تاریخ کی کتابوں کو مرتب کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی تھی کہ اکثر تاریخی کتابیں سنین کے اعتبار سے مرتب کی گئیں ہیں اور سب سے کم حکمراں خاندان کے لحاظ سے مرتب کی گئی ہیں۔

متقدمین کی کتب تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس عہد میں تاریخ نویسی کے دو بنیادی طریقے رائج تھے:

-واقعات کو سنین کے اعتبار سے سند کے ساتھ بیان کیا جاتا تھا۔اس طرز تالیف میں نہ تو واقعات کی ترتیب میں تسلسل پایا جاتا ہے اور نہ ہی عبارت کا ربط برقرار رہتا ہے۔اس طرز تالیف کے نمایاں مؤرخین میں محمد بن جریر طبری(م۳۱۰ھ)،ابن اثیر جزری،علی بن محمد(م۶۳۰ھ)وغیرہ ہیں۔تاریخ کے لغوی معنیٰ ''وقت کی تعیین'' کے اعتبار سے تاریخ نویسی کا یہ طریقہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے لیکن واقعات اور عبارات میں عدم تسلسل اور ان کے درمیان ربط کے فقدان کی وجہ سے کچھ گراں بھی محسوس ہوتا ہے۔

اس طرز تالیف کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے اس طرز اسلوب کی پیروی کرنے والے مؤرخین کا بنیادی مقصد ''مجرد واقعات نگاری'' تھا کہ جو کچھ پیش آیا ہے اسے من وعن پوری امانت ودیانت کے ساتھ قلم بند کر دیا جائے۔

-دوسرا طرز تالیف قرآن کے واقعات کو بیان کرنے کے طرز وانداز سے متاثر ہو کر سامنے آیا تھا کہ قرآن میں تاریخی واقعات کی طرف اشارہ کر کے اس سے کسی نہ کسی نتیجے تک پہنچنا تھا۔قرآن میں مذکور واقعات سے کسی نتیجے کا اخذ کرنے کو اصول وکلیہ بناتے ہوئے کچھ مؤرخین نے اپنی کتب تاریخ میں واقعات کو ایک تسلسل اور ترتیب سے بیان

کرتے ہوئے حکومتوں کے عروج وزوال سے بھی بحث کا آغاز کیا تھا۔اس طرز تاریخ نویسی میں علی بن حسین مسعودی (م ۳۴۶ھ)،ابن طقطقی ،ابن خلدون اورابن عبری وغیرہ شامل ہیں۔

دوسرے طرز تالیف کے حوالہ سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ پوری طرح سے قرآن کے واقعات بیان کرنے کے طرز واسلوب کی پیروی ہے کہ مؤرخ کا صرف یہ کام نہیں ہے کہ گذرے ہوئے واقعات وحوادث کو بیان کردیا جائے بلکہ اس کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ ان واقعات وحوادث کے درمیان پائے جانے والے ربط کو بھی اجاگر کرے اوران کی تعلیل وتحلیل بھی کرے اوران اسباب وعلل کی نشان دہی کرے جو قوموں کے عروج وزوال کا سبب وباعث ہوسکتے ہیں۔

عہد عباسی میں پروان چڑھنے والی تاریخ نویسی کو علمی اورفنی لحاظ سے دوادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔پہلے دور میں صرف واقعات کو تسلسل کے ساتھ یا بغیر تسلسل کے یکجا کردیا کردیا تھا۔اس دور میں کسی قسم کی کوئی تنقید نہیں پائی جاتی ہے مؤرخین واقعات کو بیان کرنے میں اپنی رائے کا مطلقا اظہار نہیں کرتے تھے حتی کہ اس وقت بھی کسی قسم کی رائے کا اظہار نہیں کرتے تھے جب وہ ایک ہی واقعہ کے متعلق دو متضاد اور مختلف روایات کا ذکر کرتے تھے۔اس طرز کو اختیار کرنے والے مؤرخین میں محمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) ،بلاذری (م ۲۷۹ھ) اورابوالفرج اصفہانی جیسے مؤرخین شامل ہیں۔

دوسرے دور میں تاریخی واقعات میں نقد وتبصرہ کیا ثرات نمایاں ہونے لگتے ہیں لہذا علی بن حسین مسعودی (م ۳۴۶ھ)،ابن مسکویہ (م ۴۲۱ھ) اورحمزہ بن حسین اصفہانی (م ۴۲۸ھ) کی کتب میں واقعات وحوادث پر تنقیدی اشارات ملتے ہیں۔یہ تنقیدی اشارات آگے چل کر مکمل اور کھل کر سامنے آتے ہیں کہ مؤرخ فخری کی کتاب الآداب السلطانیة میں افراط وکثرت کے ساتھ تنقیدی مواد ملتا ہے۔انھوں نے اپنی کتاب میں عباسی خلفاء،خاص طور سے ہارون رشید پر سخت تنقید کی ہے جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت کے علماء وفضلاء کو کس قدر علمی آزادی حاصل تھی۔

اسی طرح اس دور میں فلسفۂ تاریخ کے موضوع پر کچھ کتابیں مرتب کی گئیں تھیں جیسے ابوبکر محمد بن ولید قرشی طرطوسی (۵۲۰ھ) نے سراج الملوک میں سیاست کے قواعد وشرائط کا ذکر کیا ہے اوران کا استنباط تاریخ حوادث میں غور وفکر کرنے کے بعد کیا ہے لیکن انھوں نے اسے ایک جداگانہ فن کی حیثیت اجاگر نہیں کیا ہے۔اس فن یعنی فلسفہ تاریخ کے فن کو ایجاد کرنے کا سہرا مشہور اندلسی مؤرخ ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) کے سر بندھتا ہے۔لیکن چونکہ ابن خلدون کی ذات والاصفات اس سبق کے دائرۂ کار میں شامل نہیں ہے اس لیے ان کی کوششوں اور کاوشوں کی اہمیت وافادیت کا ذکر نہیں کیا جارہا ہے۔

عہد عباسی میں عالمی تاریخ تاریخ نویسی کا رجحان سامنے آتا ہے جس کی وجہ سے اس عہد کی تاریخ نویسی کو عالمی تاریخ نویسی اور مقامی تاریخ نویسی کے دو بنیادی زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔پہلی قسم کی کتب وتصنیفات میں ابتدائے آفرینش سے تاحال زمانہ مؤلف تک کی تاریخ بیان کی جاتی ہے جب کہ دوسری قسم کی کتابوں میں کسی مخصوص علاقہ کی تاریخ بیان کی جاتی ہے جس میں اس علاقہ کی تاریخ،وہاں کا تمدن وثقافت کے ساتھ ساتھ اس علاقہ کے سربرآوردہ اور مشہور اشخاص کے حالات زندگی بھی بیان کیے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان میں سے بعض کا شمار جیسے تاریخ بغداد اور تاریخ دمشق وغیرہ کا شمار تراجم وتذکرہ کی کتب میں بھی ہوتا ہے۔

عالمی تاریخ نویسی کے زمرہ کی قیادت امام طبری،محمد بن جریر (م ۳۱۰ھ) مؤلف تاريخ الرسل والملوك معروف بہ تاريخ الطبري کرتے ہوئے نظر آتے ہیں،ان کے علاوہ عالمی تاریخ نویسی کرنے والے مؤرخین میں احمد بن اسحاق یعقوبی (م ۳۱۵ھ) مؤلف تاريخ اليعقوبي ،علی بن حسین مسعودی (م ۳۴۶ھ) مؤلف مروج الذهب اور التنبيه والاشراف ،ابن مسکویہ،احمد بن محمد (۴۲۱ھ) مؤلف تجارب الأمم وتعاقب الهمم ،ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) مؤلف كتاب المنتظم ،ابن اثیر جزری،علی بن محمد (م ۶۳۰ھ) مؤلف الكامل في التاريخ، وغیرہ۔

ان مستقل بالذات کتب کے علاوہ دیگر کتب میں جیسے الأخبار الطوال ازابوحنیفہ دینوری (م ۲۸۲ھ)،كتاب المعارف ازابن قتیبہ دینوری (م ۲۷۶ھ)، كتاب الوقائع ازثابت بن سنان (م ۳۶۵ھ) وغیرہ میں بھی عالمی تاریخ نویسی کا اہتمام کیا گیا ہے۔

مقامی تاریخ نویسی میں احمد بن محمد ازرقی (م ۲۵۰ھ) کی تاريخ مكة ،ابن شاذان،حسن بن خلف (م ۴۴۶ھ) کی أخبار المدينة ،ابن عبدالحکم (۲۵۷ھ) کی تاريخ ولاة مصر،عمر بن شبہ (م ۲۶۴ھ) کی تاريخ البصرة ،ابن طاہر طیفور (م ۲۸۰ھ) کی تاريخ بغداد ،ابن النجار،محمد بن جعفر (م ۴۰۲ھ) کی تاريخ الكوفة ،خطیب بغدادی،احمد بن علی (م ۴۶۳ھ) کی تارخ بغداد ،ابن عساکر،علی بن حسن (م ۵۷۱ھ) کی تاريخ دمشق ،ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) کی مکہ ومدینہ کی تاریخ پر مشتمل کتاب مثير عزم الساكن الى أشرف الأماكن ،کمال الدین حلبی (م ۶۶۰ھ) کی بغية الطلب في تاريخ حلب وغیرہ کا شمار اہم کتب وتالیفات میں ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں بنیادی زمروں کے علاوہ عہد عباسی کی تاریخ نویسی کو خلفاء کی تاریخ،کسی خلیفہ کی مستقل سوانح اور فتوحات بلدان جیسے زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

مرتب کی تھی۔ان کتب میں مؤلف نے اولین خلیفہ سے لے کر اپنے عہد تک کے خلفاء کے حالات زندگی بیان کیے ہیں۔

کسی خلیفہ کی سوانح عمری مرتب کرنے کا آغاز عہد اموی میں ہو چکا تھا کی عوانہ بن حکم (م ۱۴۷ھ) نے ''سیرۃ معاویۃ ''لکھی تھی۔عہد عباسی میں حضرت عمر بن خطاب اور عمر بن عبدالعزیز کی حیات زندگی کو قلم بند کیا گیا تھا جیسے عبداللہ بن عبدالحکم (م ۲۱۴ھ) اور محمد بن حسین آجری (م ۳۶۰ھ) نے ''سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ''اور ''أخبار عمر بن عبدالعزیز'' (بالترتیب) لکھی تھی تو ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) نے مذکورہ بالا دونوں جلیل القدر خلفاء کی حیات وکارناموں کو ''مناقب عمر بن الخطاب ''اور ''مناقب عمر بن عبدالعزیز ''میں جمع کر دیا ہے۔

عہد عباسی میں بعض مؤرخین نے اپنی کتابوں میں صرف بلاد وامصار کی فتوحات کی تفاصیل یا بلاد وامصار کے عمومی حالات بیان کی ہیں جیسے فتوح الشام اور فتوح العراق از امام واقدی (م ۲۰۷ھ)، فتح مصر والمغرب والأندلس از ابن عبدالحکم، عبدالرحمٰن بن عبداللہ (م ۲۵۷ھ)، فتوح البلدان از بلاذری (م ۲۷۹ھ) اور کتاب البلدان از یعقوبی (م ۳۱۵ھ)، النواحي از ابن ابی عون (م ۳۲۲ھ) البلدان از قدامہ بن جعفر (م ۳۳۷ھ) وغیرہ۔

3.6.2 فلسفہ ومنطق

اموی دور میں شروع ہونے والی تحریک ترجمہ پر عہد عباسی پر پورے بال وپر آئے تھے کہ اکثر علوم وفنون کی کتابوں کو عربی زبان کے قالب میں ڈھال دیا گیا تھا۔ان مترجم کتابوں سے عرب علماء کی فکر ونظر بہت زیادہ متاثر ہوئی۔جس کے نتیجہ میں علم وفن کی نت نئی راہیں وا ہوئیں اور ہر طرف ایک علمی فضا کا ماحول پیدا ہوا اور وہ علمی سرمایہ مرتب ہوا جس نے ایک ایسی تہذیب وثقافت کو پروان چڑھایا جس کی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی ہے۔

عہد عباسی میں پروان چڑھنے والے علوم وفنون میں ایک فن ''فن فلسفہ ومنطق'' بھی ہے۔اس فن کے بانی مبانی یونانی علماء وفضلاء تھے لیکن مسلمانوں نے ان کی کتب سے استفادہ کرتے ہوئے بہت جلد اس فن میں اپنی جداگانہ راہ متعین کر لی۔

عہد عباسی کے مسلم فلاسفہ کو دو خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔پہلی قسم ان فلاسفہ پر مشتمل ہے جو یونانی فلسفہ میں پوری طرح ڈوب گئے تھے۔دوسری قسم ان فلاسفہ پر مشتمل ہے جنھوں نے اسلامی افکار اور یونانی فلسفہ کے درمیان توافق وتطابق پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔

عہد عباسی میں فلسفہ کے دو بنیادی مرکز- جندیسابور اور حران- تھے۔تیسرے مرکز ''اسکندریہ'' کے اثرات صرف عہد اموی تک ہی پائے جاتے ہیں۔اس عہد کے مشہور فلاسفہ میں یحییٰ بن ابی منصور (م ۲۱۸ھ)، یعقوب کندی (م ۲۴۸ھ)، محمد بن زکریا رازی (م ۳۲۰ھ) مؤلف الشکوك والمناقصات اور في السيرة الفاضلة، ابونصر فارابی (م ۳۳۹ھ) مؤلف المدينة الفاضلة، ابوسلیمان محمد بن طاہر منطقی (م ۳۷۰) مؤلف صوان الحكمة، ابن مسکویہ (م ۴۲۱ھ) مؤلف تهذيب الأخلاق اور الفوز الأصغر، ابن سینا (م ۴۲۸ھ) مؤلف الحاصل والمحصول اور كتاب الاشارات والتنبيهات، ابوالبرکات بغدادی (م ۴۶۰ھ) مؤلف المعتبر، امام غزالی (م ۵۰۵ھ) مؤلف تهافة الفلاسفة، امام محمد بن عمر رازی (م ۵۴۳ھ)، شیخ الاشراق شہاب الدین (م ۵۵۶ھ) مؤلف حكمة الاشراق اور مشارع ومطارحات، وغیرہ شامل ہیں۔

عہد عباسی میں تمام مشہور یونانی فلاسفہ جیسے سقراط، افلاطون اور ارسطو کی کتابوں کے ترجمے کیے گئے، ان کی شرحیں اور خلاصے لکھے گئے، ان کی بنیاد پر مستقل بالذات کتابیں لکھی گئیں جن میں ان کی خامیوں اور غلطیوں کو اجاگر کیا گیا تھا۔

عہد عباسی میں مسلم فلاسفہ نے اخوان الصفاء کے نام سے ایک جماعت بنائی تھی جس کے باقاعدہ اجلاس ہوتے تھے جس میں مباحثے اور مذاکرے ہوا کرتے تھے۔ان مباحثوں ومذاکروں کو بعد میں کتابی شکل میں مرتب کر لیا جاتا تھا جسے آج کی علمی دنیا میں رسائل اخوان الصفا سے موسوم کیا جاتا ہے۔

3.6.3 علم کلام

علم کلام کی بنیاد عہد عباسی میں پڑی تھی جس کی بنیادی وجہ مختلف نظریات وافکار رکھنے والی اقوام وملل- جیسے ایرانی، یونانی، ہندوستانی اقوام وملل- سے مسلمانوں کا میل جول تھا۔عہد عباسی میں مسلمانوں کا جن اقوام وملل کے ساتھ اختلاط ہوا تھا ان کے پاس مذہبی اور دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم کا بھی ذخیرہ تھا۔مسلمان اس ذخیرہ سے متاثر ہوئے اور انھوں نے ان اقوام وملل کے ساتھ مختلف علمی، فکری اور دینی تبادلۂ خیالات کیا جس کے نتیجہ میں غیر شعوری طور ایک فکری وعلمی دھارا، اسلامی عقائد وافکار کے دھارے میں شامل ہو گیا جس کے دوررس اور گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

تحریک ترجمہ کی وجہ سے یونانی فلسفہ سے عرب روشناس ہوئے اور خلیفہ مامون کے عہد تک یونانی ومجوسی فلسفہ کی بیشتر کتابوں کو عربی زبان کے قالب میں ڈھال دیا گیا تھا جس کی وجہ سے عربی معاشرہ میں فلسفہ کا چلن عام ہو گیا تھا اور ایک خاص طبقہ اسلامی عقائد وعبادات کی تعبیر ان فلسفیانہ افکار کی روشنی میں کرنے لگا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک

نئے رجحان نے جنم لیا کہ عقائد وافکار کو عقل کی بنیاد پر پرکھا اور جانچا جائے۔اس رجحان نے مختلف اسلامی فرقوں جیسے خوارج،شیعہ،معتزلہ،جہمیہ،مرجئہ اور قدریہ کو پیدا کیا جنھوں نے اپنے اپنے عقائد وافکار کو عقل ونقل دونوں کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔مسلم علماء نے ان فرقوں کے باطل نظریات کو رد کرنے کے لیے ایک نئے علم کی بناڈالی اور اسے ''علم کلام'' سے موسوم کیا۔

علم کلام کا شمار اسلام کے دینی علوم میں ہوتا ہے جس کو پروان چڑھانے کا سہرا مسلمانوں کے سر بندھتا ہے کہ اس فن کی ترویج واشاعت میں کسی اور مذہب کے پیرو کاران کا کوئی دخل نہیں ہے۔علم کلام کا مقصد''عقائد دینیہ کو دلائل عقلیہ کے ذریعہ پایۂ ثبوت تک پہنچانا اور مخالفین کے شکوک وشبہات کو دور کرنا ہے''۔فارابی (م۳۳۹ھ) کے بقول یہ علم''انسان کو اس قابل بنادیتا ہے کہ وہ شارع کے وضع کردہ عقائد کو فاتح ثابت کرسکے اور ان کے مخالف آراء کا رد کرسکے''۔علامہ تفتازانی کے بقول''علم الکلام وہ علم ہے جو دلائل کے ذریعے عقائد کی معرفت کا فائدہ دیتا ہے'' جبکہ ملاعلی قاری نے علم الکلام کو اصول الدین قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ وہ علم ہے جس میں ان چیزوں کے بارے بحث کی جاتی ہے جن پر اعتقاد (ایمان) رکھنا ضروری ہے۔گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ''علم کلام اعتقادیات کی حفاظت کے لیے مدون کیا گیا تھا''۔

علم کلام میں وقت کے ساتھ ساتھ وہ 'تمام مواد بالواسطہ یا بلا واسطہ اکٹھا ہوتا چلا گیا جو دینی اعتقادات کے ثبات کے لیے ضروری تھا مثلاً مبدأ اور تخلیق کائنات کے بارے میں اہم اور مفید عقلی دلائل کو باقاعدہ ایک نظام میں ڈھال دیا گیا اور متأخرین کی اس کوشش کے باوجود کہ علم الکلام کے مسائل کو فلسفہ وتصوف کے مسائل کے ساتھ ہم آہنگ کردیا جائے،علم کلام نے اپنی انفرادیت قائم رکھی اور وہ اپنے بنیادی نقطۂ نظر-دینی نقطۂ نظر-پر برقرار رہتے ہوئے اپنے آپ کو قرآن وسنت کی حدود کا پابند بنایا اور اس پر کاربند رہا کہ ان کی حدود ہی صدق وراستی کی حدود کے ہم معنی ہیں۔

علم کلام کو ایک ایسا علم قرار دیا جاتا ہے جو دینیات اور فلسفہ کے بین بین ہے اور علوم وافکار کے دو متضاد نظاموں کو مربوط کرنے میں ایک کڑی کا کی حیثیت رکھتا ہے۔

علم کلام کی کئی ایک وجہ تسمیہ بیان کی جاتی ہے۔ان میں سے ایک تعریف یہ ہے کہ 'عقائد کے متعلق جو پہلا اختلاف پیدا ہوا تھا وہ کلام الٰہی کے حوالہ سے تھا لہذا اسے علم کلام سے موسوم کردیا گیا'۔

ایک تعریف یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس علم کے ذریعہ''علم شرعیات''میں گفتگو (کلام) کرنے کی قدرت پیدا ہوتی ہے لہذا اسے علم کلام کا نام دے دیا گیا۔

ایک تعریف یہ بیان کی جاتی ہے کہ 'چونکہ وہ فلسفہ کے مقابلہ میں پروان چڑھا تھا لہذا فلسفہ کی ایک شاخ-منطق-کا جو نام تھا،اس کے ہم معنی لفظ سے اس فن کو موسوم کردیا گیا کہ منطق اور کلام دونوں مترادف الفاظ ہیں'۔

ابن خلدون کے بقول 'اس علم کا نام الکلام اس لیے ہوا کہ اس میں اہل بدعت سے عقائد پر مناظرے کیے جاتے تھے،جس کی وجہ سے''عقائد''کو''کلام''کہا جانے لگا۔

شیخ محمد عبدہ کی تعریف اس فن کے مالہ وماعلیہ کو واضح انداز میں پیش کرتی ہے۔ان کے بقول اس علم کی بنیاد عقلی دلائل پر ہے جس کا اظہار متکلم اپنے کلام اور گفتگو کے دوران برملا کرتا ہے اور اسے نقل کی طرف رجوع کم ہی کرنا پڑتا ہے۔چونکہ متکلم اپنے زور بیان سے اپنے فریق کے دلائل کو غلط قرار دیتا ہے لہذا اسے کلام سے موسوم کردیا گیا۔

علم کلام کو کبھی علم اصول الدین کہا جاتا ہے تو کبھی اسے علم النظر والاستدلال سے موسوم کیا جاتا ہے تو کبھی اسے علم التوحید والصفات کا نام دے دیا جاتا ہے جیسے شیخ محمد عبدہ کی کتاب رسالۃ التوحید جس میں کلامی مباحث کو بیان کیا گیا ہے۔اس کا ایک نام الفقہ الاکبر بھی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے عقائد کے موضوع پر اپنی کتاب کا نام الفقہ الاکبر رکھا تھا۔

علم کلام کی اصطلاح کا استعمال سب سے پہلے خلیفہ مامون کے عہد میں ہوا تھا کہ اس سے قبل اعتقادی مسائل کے لیے ''الفقه في الدين'' کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی۔

علم کلام کے آثار عہد صحابہ ہی سے ملتے ہیں لیکن جدید علم کلام کے سنہری دور کا آغاز امام ابوالحسن اشعری (م۳۲۴ھ) کی ذات والاصفات سے ہوتا ہے۔جنھوں نے معتزلی عقائد وافکار کی تردید بہت کامیابی کے ساتھ کی تھی۔ان کی کتاب مقالات الاسلامیین کا شمار علم کلام کی بنیادی اور اہم ترین کتب میں کیا جاتا ہے۔ان کے مکتب فکر کو''اشاعرہ'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس مکتب فکر کی نمائندگی کرنے والوں میں عکاشہ کرمانی، ابن کُلاب،عبداللہ بن سعید بصری (م نحو۲۴۰ھ)،حسین بن علی کرابیسی (م ۲۴۵ھ)،نخشیش بن اصرم نسائی (م۲۵۳ھ)،ابوبکر سمرقندی (م ۲۶۸ھ)،ابوسعید دارمی (م۲۸۲ھ)،ابن خزیمہ (م۳۱۱ھ)،ابن مجاہد (م۳۷۰ھ)،ابوبکر باقلانی (م ۴۰۳ھ)،امام الحرمین جوینی (م۴۷۸ھ)،امام غزالی (م۵۰۵ھ)،عمر بن محمد نسفی (م۵۳۷ھ) وغیرہ کا شمار کیا جاتا ہے۔

علم کلام کے دوسرے مکتب فکر کو''ماتریدیہ'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس مکتب فکر کے بانی ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی (م۳۳۳ھ) ہیں۔انھوں نے علم کلام کے موضوع پر

کئی کتابیں لکھی ہیں جیسے کتاب التوحید، کتاب المقالات، بیان أوهام المعتزلة، الرد علی القرامطة اور کتاب الجدل وغیرہ۔

مذکورہ بالا دونوں مکاتب فکر کے درمیان اصولی اختلافات بہت ہی کم ہیں۔ جن مسائل میں دونوں کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے ان کا تعلق فروعی مسائل سے ہے۔ ان مکاتب فکر کے درمیان پایا جانا والا بنیادی فرق غالباً ان کا دوا لگ الگ فقہی مسلک کا پیروکار رہونا ہے کہ اشعری مکتب فکر کے اکثر نمائندگان کا تعلق فقہ شافعی سے ہے جب کہ ماتریدی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کی اکثریت احناف پر مشتمل ہے۔ امام ابوعذبہ حسن بن عبدالحسن نے ان دونوں مکاتب کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کو اپنی کتاب ''کتاب الروضة البهية فيما وقع بين الأشاعرة والماتريدية'' میں اجاگر کیا ہے۔

اشعری مکتب فکر، ماتریدی مکتب فکر کے مقابلہ میں زیادہ مشہور ومروج ہے اس کی وجوہات میں سے اس کا ماتریدی مکتب فکر سے پہلے وجود میں آنا اور اشاعرہ کے تصنیفی ذخیرہ کی کثرت وغیرہ ہے۔

علم کلام کی مشہور کتب میں حسین بن علی کرابیسی (م ۲۴۵ھ) کی کتاب المقالات، خشیش بن اصرم نسائی (م ۲۵۳ھ) کی کتاب الاستقامة، ابوبکر سمرقندی (م ۲۶۸ھ) کی معالم الدین، ابوسعید دارمی (م ۲۸۲ھ) کی نقض علی المريسي الجهمي، ابن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) کی کتاب التوحید، مکحول نسفی (م ۳۱۸ھ) کی الرد علی أهل البدع والأهواء، امام احمد بن محمد طحاوی (۳۲۲ھ) کی بیان السنة والجماعة معروف بہ العقيدة الطحاوية، امام علی بن اسماعیل اشعری (م ۳۲۴ھ) کی مقالات الاسلاميين، الابانة عن أصول الديانة، رسالة في استحسان الخوض في علم الكلام، امامة الصديق، الرد على المجسمة، رسالة في الايمان، مقالات الملحدين، الرد على ابن الراوندي، اللمع في الرد على أهل الزيغ والبدع وغیرہ، امام محمد بن محمد ماتریدی (م ۳۳۳ھ) کی کتاب التوحيد، شرح الفقه الأكبر، كتاب المقالات في علم الكلام (دوسرا نام: آراء أصحاب المذاهب والفرق)، كتاب أوهام المعتزلة، كتاب الأصول في أصول الدين وغيره، ابن تیمیہ کی عقيدة أهل السنة والفرق الناجية، الرسالة المدنية في تحقيق المجاز والحقيقة في صفات الله تعالى، الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح، رسالة في القضا والقدر، بغية المرتاد في الرد على المتفلسفة والقرامطة والباطنية، منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة والقدرية (دوسرا نام: الرد على الروافض والامامية) وغیرہ، ابوبکر باقلانی (م ۴۰۳ھ) کی کتاب التمهيد، كشف الأسرار اور دقائق الكلام، امام الحرمین جوینی (م ۴۷۸ھ) کی الشامل اور الارشاد، امام غزالی (م ۵۰۵ھ) کی محك النظر، معيار العلم، تهافة الفلاسفة، الجام العوام عن علم الكلام اور عقيدة أهل السنة، امام نجم الدین نسفی، عمر بن محمد (م ۵۳۷ھ) کی العقائد النسفية شامل ہیں،

3.6.4 علم تصوف

علم تصوف خالص عہد عباسی کی پیداوار ہے کہ اس سے قبل جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ بطور علم ضبط تحریر میں نہیں لایا گیا تھا۔ بقول ڈاکٹر غلام قادر لون ''تصوف حال ہے اور اسے قال کے دائرے میں لانا خالص علمی عمل ہے...... تیسری صدی ہجری میں جب تصوف کی تدوین کی ضرورت پیش آئی تو زبان وقلم کا استعمال ایک امرِ ناگزیر تھا چنانچہ صوفیہ نے خود ہی احوال وواردات کی ترجمانی کے لیے الفاظ کا سہارا لیا اور حال کو قال میں بدلنے کی کوششوں کا آغاز کیا'' اور نتیجہ میں تصوف کے موضوع پر ایک گرانقدر علمی سرمایہ اکٹھا ہوگیا۔

لفظ تصوف کے مادہ اور اصل کے متعلق علماء ومحققین کے درمیان اچھا خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم راجح قول کے مطابق اس کا مادہ ''ص وف'' اور ''تفُّعل'' کے وزن پر مصدر ہے۔ اس لفظ کے معنی ومفہوم ''اپنے آپ کو صوفیانہ زندگی کے لیے وقف کرنا'' کیے جاتے ہیں۔ بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ ''اسلامی اصطلاح کے مطابق ''صوفی'' بن کر خود کو متصوفانہ زندگی کے لیے وقف کر دینے کو تصوف کے نام سے تعبیر کریں گے''۔

پروفیسر لیٹین مظہر صدیقی نے تصوف کس لفظ سے ماخوذ ہے، پر بحث کرتے ہوئے مادہ ''ص وف'' (صوف) کو ہی اس کی اصل مانا ہے لیکن ساتھ ساتھ ہی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس بات کے زیادہ صحیح ہونے کا امکان پایا جاتا ہے اس کا مادہ ''س وف'' (سوف) قرار دیا جائے کہ یونانی زبان میں اس کے معنی ''عقل ودانائی'' کے ہیں۔ چونکہ صوفیاء عام طور سے عقل وحکمت کی بات کرتے ہیں۔ اس مادہ کے زیادہ قریب قیاس ہونے کی دلیل انھوں نے یہ دی ہے کہ قرآن اور عربی زبان میں کئی ایسی مثالیں ملتی ہیں جہاں ''س'' کو ''ص'' سے بدل دیا گیا ہے۔

عہد عباسی میں پروان چڑھنے والے علوم وفنون میں علم تصوف کا بھی شمار ہوتا ہے۔ اس فن کے بڑے بڑے ائمہ اس عہد کی زینت رہے ہیں جنھوں نے اپنے قول وفعل کے ذریعہ اسلام کی تعلیمات کو عام کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس فن کا المیہ یہ رہا ہے کہ یہ ہمیشہ افراط وتفریط کا شکار رہا ہے کہ اس کے مؤیدین اس کی تائید میں اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ بسا اوقات اسلامی تعلیمات واحکامات کو نظر انداز کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں اس فن کے مخالفین کو اس علم میں کوئی بھی اور کسی بھی قسم کی کوئی

خیر اور بھلائی نظر نہیں آتی ہے اور وہ اسے محض ایک دکھاوا اور فریب قرار دیتے ہیں۔ دونوں فریق اپنی اپنی انتہاء پر نظر آتے ہیں جب کہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ تصوف کا شمار اسلامی علوم وفنون میں ہوتا ہے جس کے ڈانڈے عہد نبوی سے جا ملتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ عہد نبوی وعہد صحابہ میں اس کا مدلول دوسرا تھا۔ درج ذیل سطور میں عہد عباسی میں ہونے والی ان علمی سرگرمیوں کا ذکر کیا جائے گا جن کا تعلق علم تصوف سے ہے۔

قبل اس کے کہ عہد عباسی میں تصوف کے حوالہ سے علمی سرگرمیوں کا ذکر کیا جائے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اس عہد میں تصوف کے تین بنیادی مراکز – بصرہ، کوفہ اور بغداد – تھے جس کی سرزمین سے بڑے بڑے اور اکابر صوفیاء نے جنم لیا تھا۔ اسی طرح اس فن پر کتابیں مرتب کرنے کا آغاز صوفیاء کے تیسرے طبقہ نے چوتھی صدی ہجری میں کیا تھا۔ اس فن پر اولیں کتابیں ابن ابی دنیا، عبداللہ بن محمد (م ۲۸۱ھ) کے چھوٹے چھوٹے رسائل کو قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح امام جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ) کی طرف کتاب المناجات منسوب کی جاتی ہے۔ تاہم مستقل تصانیف کا آغاز چوتھی صدی ہجری سے ہوتا ہے۔

علم تصوف کے علمی سرمایہ کو حسب ذیل میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

- تصوف کی اصولی کتابیں جیسے ابونصر سراج کی کتاب اللمع، امام قشیری کی الرسالۃ، ابن عربی کی فصوص الحکم
- صوفیاء کے تذکرے جیسے ابونعیم اصفہانی کی حلیة الأولیاء
- اصطلاحات تصوف: کاشانی کی کتاب
- کتب تصوف کی شروح وحواشی
- مجالس کی کتابیں جیسے ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) کی کتاب المجالس
- طرق تصوف پر کتابیں جیسے آداب المریدین
- صوفیانہ تفاسیر جیسے تفسیر السلمی از ابوعبدالرحمٰن سلمی، لطائف الاشارات از امام قشیری

عہد عباسی میں فن تصوف پر مرتب کی جانے والی مشہور کتب میں ابو محمد خلدی (م ۳۴۸ھ) کی حکایات الأولیاء، ابونصر سراج (م ۳۷۸ھ) کی کتاب اللمع (ص ۱۳۲)، امام ابوبکر محمد کلاباذی (م ۳۸۰ھ) کی کتاب التعرف لمذهب أهل التصوف، امام نیساپوری (م ۴۱۲ھ) کی عیوب النفس، ابوعبدالرحمٰن سلمی (م ۴۲۱ھ) کی طبقات الصوفية، ابونعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) کی حلية الأولياء، سعید الواعظ (م ۴۵۰ھ) کی ریاض الأنس، امام ابوالقاسم قشیری (م ۴۶۵ھ) کا الرسالة القشيرية، عبداللہ ہروی انصاری (م ۴۸۱ھ) کی منازل السائرين اور طبقات الصوفية، امام علی ہجویری (م ۴۶۵ھ) کی کشف المحجوب، (فارسی یا عربی)، امام غزالی (م ۵۰۵ھ) کی احياء علوم الدين، مشكوة الأنوار، الرسالة اللدنية اور معارج القدس، امام غزالی کے بھائی احمد غزالی (۵۱۷ھ) کی سوانح العشاق، محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کی فصوص الحكم والفتوحات المكية، انشاء الدوائر، التدبيرات الالٰهية، رسالة الخلوة، الوصايا اور ترجمان الشوق (منظوم) وغیرہ، شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) کی فتوح الغيب، الغنية لطالب طريق الحق / غنية الطالبين، الفيوضات الربانية اور الفتح الرباني، شیخ شہاب الدین سُہروردی، یحییٰ بن جبش (م ۶۳۲ھ) کی عوارف المعارف، حكمة الاشراق، مقامات الصوفية اور معانی مصطلحاتهم۔

ان کے علاوہ ابوسعید اعرابی کی کتاب الوجد، امام محاسبی کی تصانیف، ابراہیم خواص کی کتاب معرفۃ المعرفۃ، بایزید بسطامی کی شطحیات، اور اس کی شرح از جنید بغدادی، امام حسین بن منصور حلاج کی کتاب الطّواسین کا شمار بھی اس فن کی اہم کتب میں ہوتا ہے اور ذوالنون مصری (م ۲۴۰ھ)، ابوحارث محاسبی، ابراہیم ادہم، بایزید بسطامی کا شمار اس فن کے اکابرین میں ہوتا ہے۔

3.7 ادبی علوم وفنون

عہد عباسی میں دیگر علوم وفنون کی طرح خالص ادبی علوم وفنون کو بھی کافی فروغ حاصل ہوا تھا جنھیں بنیادی طور دو حصوں – شاعری اور نثر نگاری – میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جس طرح عہد عباسی میں پروان چڑھنے والے دیگر علوم وفنون نے یورپ کی نشأۃ ثانیہ میں اہم کردار ادا کیا تھا' اسی طرح خاص ادبی علوم وفنون کے دور رس اور نمایاں اثرات یورپی زبان وادب پر مرتب ہوئے تھے مثال کے طور' دانتے کی طربیۂ خداوندی (Divina Commedia) میں مسلمانوں کے پروردہ علم کائنات، واقعہ معراج، محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کی کتابوں، ابوبکر ابن العربی (م ۵۴۳ھ) کے فلسفیانہ خیالات اور مسلمان صوفیہ کے تصور عشق کا عکس جا بجا جھلکتا ہے۔ اسی طرح الف ليلة وليلة نے مغربی ادب پر خاصا اثرات مرتب کیے اور اٹلی وفرانس میں قصہ گوئی کی مختلف قسموں کو پروان چڑھانے اور انھیں فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ درج ذیل سطور میں بہت ہی ایجاز واختصار کے ساتھ ادبی علوم وفنون کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ ان کی تفصیلات دیگر اکائیوں میں بیان کی جا چکی ہیں

3.7.1 نثر نگاری

عہد عباسی میں پروان چڑھنے والے ادب کا جب مطالعہ کیا جاتا ہے تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس عہد میں شاعری کے مقابلہ میں نثر نگاری کو زیادہ فروغ حاصل ہوا تھا اور اس کے مختلف اصناف وانواع سامنے آئیں تھیں۔عربی ادب میں ہونے والی یہ نمایاں تبدیلی تحریک ترجمہ کے فروغ اور اس کے مرتب ہونے والے اثرات ونتائج کہ وجہ سے ممکن ہوسکی تھی کہ عرب ادباء وعلماء کے سامنے فکر وفن کی ایک نئی دنیا آباد ہوگئی تھی جس کی تعبیر کے لیے نثر ہی سب سے عمدہ اور بہتر ذریعہ تھی کہ اس عہد میں پروان چڑھنے والے موضوعات کے حوالہ سے شاعری کو کہیں نہ کہیں کو اپنی تنگئ دامن کا احساس ہوتا تھا۔

عربی نثر نگاری کے بہت ہی دھندلے نقوش ہمیں عہد جاہلیت میں ملتے ہیں وہ سادہ لوح عرب صرف فطرت کی ترجمانی کرتے تھے جس کے اظہار کا سب سے عمدہ ذریعہ شعروشاعری تھی۔انھوں نے شاعری کے ذریعہ فطرت کی ترجمانی کو کچھ اس طرح الفاظ کا جامہ پہنایا کہ وہ اس عہد کی شاعری کا عمدہ ترین نمونہ بن گئے۔نزول قرآن، جوامع الکلم ﷺ کے ارشادات عالیہ، اسلامی فتوحات، دعوت دین کی مشغولیات اور اسلامی تعلیمات کے نتیجہ میں، زمانہ جاہلیت کی شاعری کے مقابلہ میں عہد اسلامی کی شاعری کے آہنگ میں کچھ کمی سی محسوس ہوتی ہے۔قرآن کریم کے نزول اور آپ ﷺ کے حکیمانہ اور بلیغانہ اسلوب انداز نے عربی نثر کو ایک نئے رنگ وآہنگ سے آشنا کیا جس کے نتیجہ میں عربی نثر نگاری کے فروغ کا آغاز ہوجاتا ہے لیکن اس عہد کی نثر نگاری کے موضوعات، مضامین اور اصناف کافی محدود تھے۔اس عہد کی نمایاں اصناف نثر میں خطابت ورسائل تھے۔

عہد عباسی میں عربی نثر نگاری اپنے سب اہم اور طاقت ور دور میں داخل ہوتی کہ اس کے موضوعات اور مضامین کا دائرہ کافی وسیع ہوجاتا ہے اور اس کے جلو میں نت نئی خالص ادبی اصناف کا ظہور ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں اس عہد کی نثر نگاری اوج کمال کو پہنچ جاتی ہے۔عہد عباسی میں پروان چڑھنے والی نثر کا مقابلہ وموازنہ صرف عصر جدید میں پروان چڑھنے والی نثر سے کیا جاسکتا ہے۔

عہد عباسی کی نثر نگاری کو فروغ دینے میں جہاں اسلامی علوم فنون جیسے علوم قرآن وعلوم حدیث وعلوم فقہ وغیرہ نے نمایاں کردار ادا کیا تھا وہیں سماجی علوم جیسے تاریخ وجغرافیہ، فلسفہ ومنطق اور علم کلام وغیرہ نے بھی ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ان علوم وفنون کے شانہ بشانہ زبان وبیان سے تعلق رکھنے والے علوم جیسے علم نحو، علم صرف، علم بلاغت، علم لغت وغیرہ نے بھی عہد عباسی کی نثر نگاری کو پروان چڑھانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ان سب پر مستزاد خالص ادبی اصناف سخن جیسے خطابت، رسائل وتوقیعات، مقامات وسفرناموں وغیرہ نے عہد عباسی کی نثر نگاری کو چار چاند لگادیے تھے۔ان سب علوم وفنون کی وجہ سے عربی زبان وادب کا دامن اس قدر وسیع ہوگیا تھا کہ اس میں ہر قسم کے موضوعات ومضامین سما گئے تھے اور خشک سے خشک مباحث کو عرب نثر نگاران، خوبصورت اور دلکش انداز بیان اور اسلوب میں پیش کرنے لگے تھے۔

قبل اس کے عہد عباسی میں پروان چڑھنے والے خالص ادبی علوم وفنون کا ذکر کیا جائے اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ ان ادبی علوم وفنون کو فروغ دینے میں عربوں کے مقابلہ میں غیر عرب اقوام (حضرات موالی) نے زیادہ اہم اور مؤثر کردار ادا کیا ہے۔

یہ عجیب وغریب اتفاق ہے عہد عباسی کی ادبی اور فنی نثر نگاری کا آغاز ایک غیر عرب کو کوششوں اور پہلوی ادب کے عربی ترجمہ سے ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مقفع (م۱۴۰ھ) نے پنچ تنتر کے پہلوی ترجمہ کو عربی کے قالب میں ڈھال کر کے اسے کلیلة ودمنة موسوم کیا تھا جو عربی نثر کا ایک عمدہ نمونہ اور ماڈل بن گیا تھا۔اس کتاب کی اہمیت وافادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آج بھی اس کے ساحرانہ اسلوب کے اثرات باقی ہیں اور پڑھنے والے اس کے سحر میں گرفتار ہوتا چلا جاتا ہے۔یہ کتاب اپنی نظیر آپ ہے کہ آج تک اس کا بدل نہ پیش کیا جاسکا اور وہ سہل ممتنع کی ایک ایسی مثال بن گئی جس کی پیروی ناممکن تو نہیں لیکن مشکل ضرور ہے۔

عہد عباسی میں خالص نثری ادب کو فروغ دینے اور پروان چڑھانے میں مشہور عباسی ادیب جاحظ، عمرو بن بحر (م۲۵۵م) نے سب سے اہم کردار ادا کیا ہے۔انھوں نے خالص ادبی کتب کے ساتھ ساتھ دیگر موضوعات پر بھی قلم اٹھایا ہے اور گرانقدر کتابیں بطور یادگار چھوڑی ہیں۔انھوں نے اپنے طرز بیان واسلوب سے عربی نثر کا ایک علمی رنگ وآہنگ متعین کردیا تھا جس میں ادبیت کی چاشنی بھی پائی جاتی ہے۔انھوں نے جہاں ایک طرف عربی تنقید کے اہم بنیادی مباحث کو البیان والتبیین میں اجاگر کیا تو دوسری طرف کتاب الحیوان، کتاب البغال، کتاب التبصر بالتجارة، تنبیه الملوك، الدلائل والاعتبار علی الخلق والتدبر، العراقة والفراسة، الربیع والخریف، الحنین الی الأوطان، البرصان والعرجان والعمیان والحولان وغیرہ جیسی خالص علمی کتابیں لکھیں۔

جاحظ کی اولیات میں اس بات کا شمار بھی کیا جاتا ہے کہ انھوں نے عربی زبان میں طنز ومزاح کی اولین کتاب لکھی تھی اور اسے کتاب البخلاء سے موسوم کیا تھا۔یہ کتاب جہاں ایک طرف عباسی سماج ومعاشرہ کے ایک پہلو کی منھ بولتی تصویر ہے تو دوسری طرف طنز ومزاح کا ایک اچھوتا اور نادر نمونہ ہے۔طنز ومزاح کے موضوع پر انھوں نے الجد والهزل کے نام ایک رسالہ بھی لکھا ہے جو ان کے دیگر رسائل کے ساتھ مجموع رسائل کے نام سے چھپ چکا ہے۔

3.7.1.1 تنقید اور علم بلاغت

عربوں کے اندر تنقیدی شعور فطری طور پر پایا جاتا ہے جس کے ہلکے اور دھندلے نقوش عہد عباسی سے ماقبل دور میں پائے جاتے ہیں لیکن یہ فن، بطور فن عہد عباسی میں پروان چڑھا تھا اور اس مقام و منزل پر پہنچ گیا تھا جس تک وہ زمانہ ماضی میں کبھی بھی نہ پہنچ سکا تھا۔ یہ بات بلا خوف و تردد کہی جاسکتی ہے کہ عصر جدید کو چھوڑ کر عربی تنقید کبھی بھی اس قدر بلند مقام پر نہیں سکی تھی۔ اس تنقیدی شعور کو پروان چڑھانے میں فصاحت قرآنی (اعجاز القرآن) کے اسرار و رموز نے کے مطالعہ نے ادبی تنقید کا ایک نیا راستہ کھول دیا تھا جس کے نتیجہ میں ادبی تنقید کا ایک قابل ذکر سرمایہ سامنے آتا ہے۔

عہد عباسی میں تنقید کا ایک نیا رنگ سامنے آتا ہے کہ اسی عہد میں پہلی مرتبہ دو شاعروں کے درمیان موازنہ و مقارنہ کرنے کا چلن سامنے آیا جیسے آمدی کی کتاب الموازنة بين ..... وغیرہ۔ یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ دو شعراء کے درمیان مقارنہ اور موازنہ کے کچھ نمونے عہد جاہلی میں پائے ہیں لیکن چونکہ وہ نتائج کسی قواعد و ضوابط پر مشتمل نہیں تھے بلکہ صرف عربی الفاظ کے بہتر استعمال اور فیصلہ کرنے والے کے ادبی ذوق پر مشتمل ہوتے تھے لہذا ان کا مقابلہ و موازنہ عہد عباسی کے ''ادب مقارن'' سے نہیں کیا جاسکتا ہے۔

فن تنقید کے موضوع پر قلم اٹھانے والوں میں جاحظ مؤلف البيان والتبيين اور كتاب الحيوان، کے علاوہ محمد بن سلام جمحی (م۲۳۲ھ) مؤلف طبقات فحول الشعراء، ابن قتیبہ دینوری (م۲۷۶ھ) مؤلف الشعر والشعراء اور كتاب المعارف، ابوعباس محمد بن یزید مبرد (م۲۸۶ھ) مؤلف الكامل اور الروضة، ثعلب (م۲۹۱ھ) مؤلف قواعد الشعر،، ابن طباطبا (م۳۲۲ھ) مؤلف عيار الشعراء، ابوالفرج اصفہانی (م۳۵۶ھ) مؤلف كتاب الأغانی، ابن معتز (م۲۹۶ھ) مؤلف كتاب البديع اور طبقات ابن المعتز، ابواحمد یحییٰ بن علی منجم (م۳۰۰ھ) کا رسالة في المفاضلة بين العباس والعتابي، ابن عمار قطربلی (م۳۱۹ھ) مؤلف سرقات أبي تمام، ابن ابی عون (م۳۲۲ھ) مؤلف التشبيهات، مفجع بصری (م۳۲۷ھ) مؤلف الترجمان في الشعر، مہلہل بن یموت (م۳۳۴ھ) مؤلف سرقات أبي نواس، ابوبکر محمد بن یحییٰ صولی (م۳۳۵ھ) مؤلف أخبار أبي تمام، قدامہ بن جعفر (م۳۳۷ھ) مؤلف نقد الشعر اور الرد على ابن المعتز فيما عاب به أبا تمام، محمد بن حسن بن یعقوب عطار (م۳۵۵ھ) مؤلف المدخل الى علم الشعر، حمزہ بن محمد اصفہانی (م۳۶۰ھ) مؤلف كشف عيون المتنبي، حسن بن بشر آمدی (م۳۷۰ھ) مؤلف كتاب الموازنة بين البحتري وأبي تمام یا كتاب الموازنة بين الطائيين، معانی شعر البحتري، تفضيل شعر امرئ القيس على الجاهليين اور تبيين غلط قدامة بن جعفر في كتاب نقد الشعر وغیرہ، الخالدیین: ابوبکر محمد (م۳۸۰ھ) اور ابوعثمان سعید (م۳۹۱ھ) مؤلف الأشباه والنظائر، ابوعبیداللہ مرزبانی، محمد بن عمران (م۳۸۴ھ) مؤلف الموشح، صاحب بن عباد (م۳۸۵ھ) مؤلف الكشف عن مساوي المتنبي، ابوالحسن رمانی (۳۸۶ھ) مؤلف النكت في اعجاز القرآن، خطابی (م۳۸۸ھ) مؤلف بيان اعجاز القرآن، محمد بن حسن حاتمی (م۳۸۸ھ) مؤلف كتاب المعيار والموازنة، كتاب المجاز في الشعر، كتاب الهلباجة في صنعة الشعر، كتاب الحالي العاطل في صنعة الشعر، كتاب سر الصناعة في الشعر، الرسالة الموضحة، الرسالة الحاتمية، حلية المحاضرة اور كتاب حلية المحاضر، قاضی علی بن عبدالعزیز جرجانی مؤلف الوساطة بين المتنبي وخصومه، ابن وکیع تنیسی، حسن بن علی (م۳۹۳ھ) مؤلف المنصف للسارق والمسروق في اظهار سرقات أبي الطيب المتنبي، ابوہلال عسکری (م۳۹۵ھ) مؤلف كتاب الصناعتين، ابن فارس (م۳۹۵ھ) مؤلف ذم الخطأ في الشعر، محمد بن احمد افریقی معروف بہ متیم (م۴۴۰ھ) مؤلف الانتصار النبي على فضل المتنبي، بقية الانتصار اور التنبيه على رذائل المتنبي، محمد بن حسین فارسی (م۴۲۱ھ) مؤلف كتاب الشعر، بشر بن یحییٰ النصیبی مؤلف سرقات البحتری من أبي تمام، ابومنصور ثعالبی (م۴۲۹ھ) مؤلف يتيمة الدهر، ابن سنان خفاجی (م۴۶۶ھ) مؤلف سر الفصاحة، عبدالقاہر جرجانی (م۴۷۱ھ) مؤلف دلائل الاعجاز اور اسرار البلاغة، اسامہ بن منقذ (م۵۸۴ھ) مؤلف البديع في نقد الشعر، ابن سناء الملک (م۶۰۸ھ) مؤلف دار الطراز، ابن جبارۃ علی بن اسماعیل (م۶۳۲ھ) مؤلف نظم الدرر في نقد الشعر، ضیاء الدین ابن اثیر (م۶۳۷ھ) مؤلف المثل السائر، وغیرہ جیسے باکمال اشخاص شامل ہیں۔

3.7.1.2 ادب الرحلات

عہد عباسی میں ایک بالکل نئے ادبی فن کا ظہور ہوتا ہے جسے ''أدب الرحلة / الرحلات'' (سفرنامے) سے موسوم کیا جاتا ہے۔ عام طور پر انسان کی فطرت میں جستجو اور نت نئے جہانوں کی جستجو و تلاش پائی جاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے کچھ کے اندر ہی یہ داعیہ اتنی شدت اور طاقت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے کہ وہ تمام تر خطرات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے قدم آگے بڑھا دیتے ہیں اور زمین کی مسافتوں کو طے کرنے کا آغاز کر دیتے ہیں اور راستے کی مشکلات و مصائب کو برداشت کرتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان کی ایک جرأت اور بہادری نے نئے جہانوں کو دریافت کیا جن سے ایک وقت کی دنیا ناواقف تھی

انسان اور سفر کے درمیان چولی دامن کا ساتھ ہے۔وہ مختلف مقاصد کے حصول کے لیے رختِ سفر باندھتا رہا ہے۔ان مسافران تلاش وجستجو نے اپنے سفر کے حالات کو قلم بند کرنے کا اہتمام بھی کیا تھا جس کے نتیجہ میں ''سفر نامہ'' (ادب الرحلۃ) جیسی صنف کا آغاز ہوتا ہے۔اس صنف کے آغاز وارتقاء کے ڈانڈے کو بھی ان علوم وفنون سے ملایا جاسکتا ہے جو قرآن کے زیراثر پروان چڑھے تھے کہ قرآن میں متعدد مقامات پر کائنات ارضی وسماوی پر غور وخوض کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ساتھ ہی ساتھ ﴿أولم يسيروا في الأرض﴾ کے ذریعہ رختِ سفر باندھنے کی دعوت دی گئی تاکہ کائنات ارضی کے چھپے ہوئے خزانوں اور اس کے اسرار ورموز سے آگاہ ہوا جاسکے۔

قرآن کریم کے اولین مخاطب عرب تھے۔وہ پہلے ہی سے ملکوں ملکوں اور صحرابہ صحرا گھومنے پھرنے کے قائل تھے۔قرآن کریم کی آیات تدبر نے ان کے شوق کو مزید مہمیز دے دی بس کچھ مقاصد سفر بدل گئے تھے اور نتیجہ میں جغرافیہ اور سفر نامے جیسی علمی وادبی اصناف نے جنم لیا۔

ادب الرحلۃ کی صنف کا آغاز فن جغرافیہ کے جلو میں عہد عباسی سے ہوتا ہے کہ اس عہد کے مسافران نے مختلف مقاصد کے پیش نظر بہت ہی کثرت کے ساتھ دنیا کی خاک چھانی تھی اور ماحصل کو کتابی شکل میں مدون کردیا تھا۔اس عہد میں سفر ناموں کے فروغ پانے کے مختلف اسباب وعلل جیسے فریضۂ حج کی ادائیگی وزیارت نبوی ،تجارت،طلب علم،بادشاہ وقت کی خواہش کے مطابق ممالک وامصار کے حالات سے واقفیت حاصل کرنا اور نت نئے جہانوں کی سیر وغیرہ پائے جاتے تھے۔

عہد عباسی میں مرتب کیے جانے والوں سفر ناموں کو بحری اور بری سفر ناموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ابتدائی بحری سفر ناموں میں الف ليلة وليلة میں مذکور سند باد بحری کے قصے، بزرگ بن شہریار کی جانب منسوب بحری سفر کے احوال اور جہاز راں ابن ماجد کے آثار علمیہ وغیرہ۔ابتدائی بری سفر ناموں میں سلام ترجمان،ابن وہب قرشی،سلیمان تاجر،ابوزید حسن،احمد بن فضلان،ابودلف مسعد بن مہلہل خزرجی وغیرہ کے سفر نامے شامل ہیں۔ان بحری وبری سفر ناموں میں جغرافیہ دانوں کی مرتب کردہ کتب جغرافیہ بھی شامل ہیں کہ ان میں بھی کسی نہ کسی حد تک ''سفر نامہ'' کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

عہد عباسی میں لکھے جانے والے سفر نامے جہاں ایک طرف ان ممالک وامصار کی جغرافیائی کیفیت بیان کرتے ہیں تو دوسری طرف ان کی تاریخ،تہذیب وتمدن اور ثقافت اور معاشرہ کی تصویر کشی کرتے ہیں۔اردو دائرۃ المعارف الاسلامیۃ کے مقالہ نگار نے اس عہد کے سفر ناموں کی اہمیت اور مقام ومرتبہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: ''انھوں نے دور دراز ممالک کے سفر کیے،تمام دنیا کے عجائبات دریافت کی......انھوں نے ایسے سفر نامے مرتب کیے جن سے دنیا کے ان ممالک کے حالات معلوم ہوئے جہاں اہل یورپ کا گزر تک نہ ہوا تھا۔ابن بطوطہ اور ابن جبیر کے سفر نامے معلومات کے خزانے ہیں''۔

قبل اس کے کہ عربی سفر ناموں کا ذکر کیا جائے اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ ابتدائی سفر نامے عرب جغرافیہ دانوں کے مرتب کردہ ہیں اور ان میں سفر نامہ کی خصوصیات کے مقابلہ جغرافیائی احوال وکیفیات کا ذکر زیادہ ملتا ہے۔اسی بنیاد پر ان کتب کا شمار ''سفر نامے'' کے مقابلہ میں جغرافیہ کی کتابوں میں ہوتا ہے تاہم ان کا تعلق ایک ناحیہ سے عربی سفر ناموں سے بھی ہے۔غالباً اسی وجہ سے الرحلة والرحالون المسلمون کے مصنف ڈاکٹر احمد رمضان احمد نے عربی سفر ناموں کو تین زمروں میں تقسیم کیا ہے:

-**الرحالة الجغرافيون**: اس زمرہ کے تحت انھوں نے اہم اولین جغرافیہ دانوں کا ذکر کیا ہے اور ان کی کتب میں پائے جانے ''سفر نامے'' کے عناصر کو اجاگر کیا ہے۔اس زمرہ میں ابن خُرّدَاذبہ،عبیداللہ بن احمد (نحو ۲۸۰ھ) مؤلف المسالك والممالك ،قدامہ بن جعفر (م ۳۳۷ھ) مؤلف كتاب الخراج،احمد بن اسحاق معروف بہ یعقوبی (م ۳۱۵ھ) مؤلف كتاب البلدان ،ابراہیم بن محمد اصطخری (م ۳۴۶ھ) مؤلف صور الأقاليم ،ومسالك الممالك ،ابن فقیہ ہمدانی () مؤلف مختصر كتاب البلدان ،ابن رستہ،احمد بن عمر () مؤلف الأعلاق النفيسة ،حسن بن احمد ہمدانی معرف بہ ابن حائک () مؤلف صفة جزيرة العرب ،علی بن حسین مسعودی (۳۴۶) مؤلف مروج الذهب ومعدن الجوهر ،ابن حوقل،محمد بن علی (م بعد ۳۶۷ھ) مؤلف المسالك والممالك أو صورة الأرض،محمد بن احمد مقدسی بشاری (م نحو ۳۸۰ھ) مؤلف أحسن التقسيم في معرفة الأقاليم ،ابوریحان بیرونی،محمد بن احمد (م ۴۴۰ھ) مؤلف تاريخ الهند اور الآثار الباقية عن القرون الخالية، محمد بن محمد ادریسی (م ۵۶۰ھ) مؤلف نزهة المشتاق في ذكر الأمصار والأقطار والبلدان ،اور یاقوت بن عبداللہ رومی حموی (م ۶۲۶ھ) مؤلف معجم البلدان اور مراصد الاطلاع على أسماء الأماكن والبقاع۔

مذکورہ بالا زمرہ میں ڈاکٹر احمد رمضان احمد نے عہد عباسی سے تعلق رکھنے والے سلّام ترجمان،ابن فضلان اور ابودلف کا بھی ذکر کیا ہے اور اس بات کی وضاحت کی ہے ان کے تصانیف ہم تک نہیں پہنچ سکی ہیں۔

ڈاکٹر احمد رمضان احمد نے ان الرحالة الجغرافيون کے علاوہ دیگر جغرافیہ دانوں جیسے عبیداللہ بکری،ابن خلدون،ابوالفداء اسماعیل اور احمد بن یحییٰ فضل اللہ عمری کا بھی ذکر کیا ہے لیکن چونکہ وہ اکائی کے دائرے میں نہیں آتے ہیں کہ ان میں سے کچھ کا تعلق اندلس سے ہے تو کچھ کا تعلق عہد عباسی کے بعد کے عہد سے ہے۔ مذکورہ زمرے کے سفر ناموں

کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر احمد رمضان احمد کی کتاب کا نصف سے زائد حصہ اسی اولین زمرہ پر مشتمل ہے۔

-**الرحالة المشارقة**: اس زمرہ میں مصنف نے ان حضرات کا ذکر کیا ہے جن کے اسفار کی تفاصیل ''سفرنامے'' کے فنی معیار پر پوری اترتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے اکثر نے اپنے سفرناموں کو مستقل بالذات تصنیف نہیں بنایا ہے۔ اس زمرہ میں مصنف نے اسامہ بن مرشد بن علی بن منقذ (م ۵۸۴ھ)، عبدالکریم بن محمد سمعانی (م ۵۶۲ھ) عمارۃ بن علی یمنی (م ۵۶۹ھ)، علی بن ابی بکر بن علی ہروی (م ۶۱۱ھ)، عبداللطیف بن یوسف بغدادی (م ۶۲۹ھ)، زکریا بن محمد قزوینی (م ۶۸۲ھ) مؤلف آثار البلاد و أخبار العباد (وہ آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے قاضی تھے تاہم وفات عہد عباسی کے بعد ہوئی تھی) کا ذکر کیا ہے اور فن سفرنامہ میں ان کے مقام ومرتبہ کا ذکر کیا ہے۔

مذکورہ بالا زمرہ میں انھوں نے ناصر خسرو کا بھی ذکر کیا ہے جنھوں نے اپنا سفرنامہ فارسی میں لکھا تھا جس کا یحیٰی خشاب نے عربی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

-**الرحالة المغاربة**: اس زمرہ میں مصنف نے ان سفرناموں کا ذکر کیا ہے جن کے مصنفین کا شمار اندلس کے اہل علم وفضل میں ہوتا ہے جیسے ابن جبیر اور ابن بطوطہ وغیرہ۔ چونکہ اس زمرہ کے افراد مذکورا کائی میں شامل نہیں ہیں لہٰذا ان کا ذکر نہیں کیا جا رہا ہے۔ لیکن یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ ادب الرحلة کی اہم ترین تصانیف کا تعلق اسی زمرہ سے ہے کہ ان کا ذکر اگر ادب الرحلة سے نکال دیا جائے تو عہد وسطی میں ادب الرحلة کا وجود باقی نہیں رہے گا۔ یہاں اس بات کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ عہد عباسی میں پروان چڑھنے والا سفرنامہ، سفرنامہ سے زیادہ جغرافیہ کی تفاصیل بیان کرتا ہے بلکہ وہی تصانیف ہی عہد عباسی میں پروان چڑھنے والے ادب الرحلة کا نمونہ ہیں، کمزور نمونہ ہی سہی۔ عہد عباسی کے ادب الرحلة کی وہ کتابیں جنھیں جغرافیہ داں حضرات نے مرتب نہیں کیا تھا، وہ بھی ادب الرحلة کا مکمل نمونہ نہیں ہیں کہ وہ بھی کتب جغرافیہ کی طرح دیگر موضوعات کی کتب میں ضمناً ذکر کیے گئے ہیں جیسے ابن منقذ نے کتاب الاعتبار میں ادب الرحلة کے حوالہ سے کچھ نقل کیا ہے لیکن اس کتاب کا بنیادی تعلق سفرنامہ کی بجائے سیرت وتاریخ سے ہے۔

3.7.1.3 علم لغت

یہ علم بھی ان علوم وفنون میں شامل ہے جو قرآن کے زیر اثر پروان چڑھے تھے اور ان کی ترتیب وتہذیب میں احادیث نبویہ نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کی ابتداء قرآن وحدیث کے الفاظ کے معانی ومفاہیم کے بیان کرنے سے ہوئی تھی جو آگے چل کر تمام عربی الفاظ کے معانی ومفاہیم کو بیان کرنے پر محیط ہو گیا تھا۔ اس علم کے بالکل ابتدائی نقوش عہد نبوی وصحابہ میں ہی ملتے ہیں تاہم اس وقت کتابوں کی بجائے افراد خصوصاً آپ ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے رجوع کیا تھا اور مشکل الفاظ کے معانی دریافت کیے جاتے تھے۔ عہد اموی میں لغت نگاری کے کچھ آثار ملتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے الفاظ پر مشتمل پر کچھ کتابوں کا ذکر مصادر میں پایا جاتا ہے لیکن فنی طور پر اس کا ارتقاء عہد عباسی میں ہی ہوا تھا اسی لیے کہا جاتا ہے مشہور لغوی اور علم عروض کے بانی خلیل بن احمد فراہیدی (م ۱۷۰ یا ۱۷۵ھ) کے عہد تک عرب فن لغت سے واقف نہیں تھے۔

فن لغت کے پروان چڑھنے کی بنیادی وجہ اسلامی فتوحات کی وسعت کے نتیجہ میں مختلف اقوام وملل پر مشتمل معاشرہ کا وجود میں آنا تھا۔ مخلوط معاشرہ میں عربی زبان، اپنی اصل سے دور ہوتی چلی جا رہی تھی اور اس کی شکل میں بگاڑ پیدا ہونے لگا تھا لہٰذا اصل اور صحیح عربی زبان کے محافظ علماء نے اس کی بقاء کے لیے کمر کس لی اور دیہات اور بادیہ میں جا کر خالص اور فصیح عربی سیکھنے کا اہتمام کیا۔ اردو دائرۃ المعارف الاسلامیۃ کے مقالہ نگار کے بقول ''عرب کے فصیح بادیہ نشینوں کے ساتھ علمائے لغت کے ربط واتصال نے پہلے تدوین لغت اور آگے چل کر لغت نویسی کی بنا ڈالی۔ اس طرح عربی زبان ہمیشہ کے کے لیے آمیزش واختلاط سے محفوظ ہو گئی......انھوں نے عربی زبان کے تحفظ کے سلسلے میں جس عرق ریزی اور جانکاہی کا ثبوت دیا ہے، دنیا کی کوئی زبان اس کی ہمسری کا دعوی نہیں کر سکتی ہے''۔

لغت (Dictionary) کے لیے عربی میں ''المعجم'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس کا اطلاق اس کتاب پر ہوتا جو مفردات لغت کی کثیر تعداد اور ان کے معانی ومطالب پر مشتمل ہو اور اسے حروف ہجاء یا موضوع کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہو۔ یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی کہ لفظ ''المعجم'' کا استعمال سب سے پہلے امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) نے صحیح بخاری کے ایک باب کے عنوان میں غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کی فہرست کا ذکر کرتے ہوئے کیا تھا۔ بعد ازیں انھوں رواۃ حدیث کا ذکر المعجم الکبیر اور المعجم الصغیر میں کیا۔ ان کے علاوہ متعدد علماء نے صحابۂ کرام، رواۃ احادیث اور محدثین پر مشتمل کتابوں کو ''المعجم'' کے نام سے موسوم کیا تھا جیسے محدث ابویعلی احمد بن علی (م ۳۰۷ھ) کی کتاب معجم الصحابة، ابن بنت منیع () کی المعجم الکبیر اور المعجم الصغیر وغیرہ۔ مؤخر الذکر دونوں کتابیں صحابۂ کرام کے اسماء پر مشتمل ہیں۔ فن اسماء الرجال کے موضوع پر لکھنے والی متعدد کتب کو ''المعجم'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ چونکہ ان محدثین نے اپنی کتب کو حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا تھا لہٰذا علمائے لغت نے بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے اپنی کتب کو مؤلف ''المعجم'' سے موسوم کر دیا کہ وہ کتابیں بھی عام طور سے حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کی گئیں تھیں جیسا کہ اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے مقالہ نگار نے اس کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی ہے ''غالباً کسی زبان کی کتاب لغت پر معجم کا اطلاق اس لیے کیا جانے لگا کہ اعجام

(حروف پر نقطے لگانا) سے التباس دور ہو کر وہ حرف واضح ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ کلمات حروف ہجاء ہی سے مرکب ہوتے ہیں''۔

اوپر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ عربی لغت نویسی کا آغاز عہد نبوی وعہد صحابہ سے ہی ہو چکا تھا۔ عہد اموی میں اس کے ابتدائی نقوش پائے جاتے ہیں تاہم ان تمام ادوار کا جو کچھ سرمایہ بھی ملتا ہے ان کا تعلق عام لغت نگاری کے بجائے قرآن وحدیث کے مشکل الفاظ سے تھا۔ فنی طور پر اس علم لغت کا آغاز خلیل بن احمد فراہیدی کی کتاب کتاب العین سے ہوتی ہے جسے اصطلاحی طور پر ڈکشنری کہا جا سکتا ہے۔

3.7.1.3.1 تدوین لغت نگاری کے مراحل

عربی لغت نگاری کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے وہ کئی تدریجی مراحل سے گزری ہے:

پہلا مرحلہ: اس مرحلہ میں صحابۂ کرام آپ ﷺ سے قرآن وحدیث کے مشکل الفاظ کے معنی دریافت کر کے یا تو انھیں زبانی یاد کر لیتے تھے یا انھیں لکھ لیا کرتے تھے۔ تدوین لغت کا یہ پہلا مرحلہ صرف قرآن وحدیث کے مشکل الفاظ مشتمل ہے۔

دوسرا مرحلہ: اس مرحلہ میں صحابۂ کرام آپس میں قرآن وحدیث کے مشکل الفاظ کے معنی دریافت کرتے تھے۔ اس مرحلہ کے نمائندہ فرد حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ انھیں اس عہد کی چلتی پھرتی ڈکشنری کہا جاتا تھا کہ وہ قرآن وحدیث کے مشکل الفاظ کے معانی بیان کرتے تھے اور ''مفردات کی تشریح عربی اشعار کی روشنی میں کرتے تھے''۔

تیسرا مرحلہ: اس مرحلہ میں سب سے پہلے مفردات کو بغیر کسی ترتیب کے اکٹھا وجمع کر دیا گیا تھا۔ دوسرے مرحلہ میں مفردات کو معانی وموضوعات کے اعتبار سے جمع کیا گیا۔ اس مرحلہ میں ایک دوسرے سے ملتے ان الفاظ جمع کیا گیا جو شکل اور معنی کے اعتبار سے ایک جیسے تھے جیسے قَدَّ اور قَطَّ (چیرنا اور پھاڑنا بالترتیب)، قَضَمَ اور خَضَمَ (چبانا) وغیرہ۔ اس مرحلہ میں ایک موضوع سے متعلق الفاظ کو جمع کیا گیا تھا جیسے کتاب الابل، کتاب النبات، کتاب الحشرات، کتاب النخیل وغیرہ۔

چوتھا مرحلہ: اب تک جو کچھ لغوی سرمایہ جمع ہو چکا تھا اس کی روشنی میں عام لغت نویسی کا آغاز ہوا تھا۔ عام لغت نویسی کی ابتداء دوسری صدی ہجری میں خلیل بن احمد فراہیدی کے ہاتھوں سے ہوئی تھی۔ ان کی کتاب ''کتاب العین'' کو اس فن کی اولین کتاب قرار دیا جاتا ہے۔ اس کتاب کو انھوں حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا ہے لیکن اس کی ترتیب میں حروف کے مخارج کو ملحوظ رکھا گیا ہے یعنی پہلے حلقی حروف، اس کے بعد زبان سے نکلنے والے الفاظ، اس کے بعد دانتوں سے نکلنے والے الفاظ پھر لبو سے نکلنے والے الفاظ۔ حروف حلقی -حرف عین- سے شروع ہونے کی وجہ سے ہی اس کتاب کو کتاب العین سے موسوم کیا گیا ہے۔

عہد عباسی کے دیگر مشہور لغت نگاران میں ابوعمرو بن علاء، زَبَّان بن عمار تمیمی (م۱۵۴ھ) مؤلف النوادر، یونس بن حبیب (م۱۸۲ھ) مؤلف اللغات اور النوادر، امام کسائی (م۱۸۹ھ) مؤلف ما تلحن فيه العامة، مؤرج بن عمرو سدوسی (م۱۹۵ھ) مؤلف كتاب الأنواء، نضر بن شمیل (م۲۰۳ھ) مؤلف كتاب الصفات، كتاب الأشجار، كتاب الوحوش، كتاب الأنواء اور المعانی وغیرہ، ابوعمر واسحاق بن مرار شیبانی (م۲۰۶ھ) مؤلف كتاب الجيم اور كتاب اللغات، یحییٰ بن زیاد دیلمی (م۲۰۷ھ) مؤلف البهاء فيما تلحن فيه العامة، ابوعبیدہ معمر بن مثنی (م۲۰۹ھ) مؤلف ما تلحن فيه العامة، ابوزید انصاری، سعید بن اوس (م۲۱۵ھ) مؤلف النوادر، الهمز، المطر، الشجر اور خلق الانسان وغیرہ، عبدالملک بن قُرَیب اصمعی (م۲۱۶ھ) مؤلف كتاب الابل، كتاب الأضداد، كتاب خلق الانسان اور كتاب الخيل وغیرہ، ابوعبید قاسم بن سلام ہروی (م۲۲۴ھ) مؤلف الغريب المصنف، ابن الاعرابی کوفی، محمد بن زیاد (م۲۳۱ھ) مؤلف أسماء الخيل وفرسانها اور أسماء البئر وصفاتها، ابوعثمان بکر بن محمد مازنی (م۲۴۸) مؤلف ما تلحن فيه العامة، ابوحاتم سجستانی، سہل بن محمد (م۲۴۸ھ) مؤلف ما تلحن فيه العامة، كتاب الأضداد اور كتاب الابل، ابوحنیفہ دینوری (م۲۸۲ھ) مؤلف ما تلحن فيه العامة ابوالہیذام گلاب بن حمزہ عقیلی حرانی (م۲۹۰ھ) مؤلف ما تلحن فيه العامة، ابن دريد ازدی (م۳۲۱ھ) مؤلف الجمهرة في اللغة، تقويم اللسان، اللغات اور المقصور والمدود، ابوابراہیم اسحاق بن ابراہیم فارابی (م۳۵۰ھ) مؤلف ديوان الأدب، ابوعلی قالی، اسماعیل بن قاسم بغدادی (م۳۵۶ھ) مؤلف البارع، ازہری، ابومنصور محمد بن احمد (م۳۷۰ھ) مؤلف تهذيب اللغة، صاحب بن عباد (م۳۸۵ھ) مؤلف المحيط، محمد بن حسن جَرْبَاذَقانی (م۳۸۶ھ) مؤلف حرف العين في الضاد والظاء من كتاب الروحة، ابن فارس، احمد بن زکریا (م۳۹۰ھ) مؤلف مقاييس اللغة اور المجمل، اسماعیل بن حماد جوہری (م۳۹۳ھ) مؤلف الصحاح، ابوہلال عسکری (م۳۹۵ھ) مؤلف ما تلحن فيه الخاصة، التلخيص، المعجم، الفروق، ابومنصور ثعالبی، عبدالملک بن محمد (م۴۲۹ھ) کی فقه اللغة، ابوغالب تمام بن غالب (م۴۳۶ھ) مؤلف الموعب، محمود بن عمر زمخشری (م۵۳۸ھ) مؤلف أساس البلاغة، حسن بن محمد صاغانی (م۶۵۰ھ) مؤلف العباب الزاخر، مجمع البحرين، الشوارد في اللغة، الأضداد، ما تفرد به بعض أئمة اللغة اور التكملة وغیرہ ہیں۔

دیگر مشہور کتب لغات جیسے لسان العرب، القاموس اور تاج العروس وغیرہ وغیرہ عباسی کے بعد مرتب کی گئیں تھیں اس لیے ان کے مؤلفین کا ذکر یہاں نہیں کیا

گیا ہے۔

3.7.1.3.2 عربی لغت نگاری کے اسکول

اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے مقالہ نگار نے عہد عباسی میں پروان چڑھنے والی لغت نگاری کو بنیادی طور پر دو مکتب فکر میں تقسیم کیا ہے:

-مدرسة المعانی :اس مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے افراد نے اپنی کتب لغات کو الفاظ کی بجائے معانی و موضوعات کے اعتبار سے مرتب کیا ہے جیسے ابوعبید کی الغریب المصنف، ابومنصور ثعالبی کی فقه اللغة وغیرہ۔

-مدرسة الألفاظ :اس مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے افراد نے اپنی کتب لغات کو حروف تہجی کے اعتبار مرتب کیا ہے جیسے خلیل بن احمد فراہیدی کی کتاب العین وغیرہ۔اس مکتب فکر کے حاملین کے مابین حروف تہجی کی ترتیب میں فرق پایا جاتا ہے۔

اس بنیادی تقسیم کے علاوہ انھوں نے علم لغت کی ایک تقسیم کرتے ہوئے اسے چار مکاتب فکر میں تقسیم کیا ہے:

-مدرسة الخلیل :اس مدرسہ کے بانی خلیل بن احمد فراہیدی ہیں جنھوں نے اپنی لغت کی ترتیب ''حروف پر بلحاظ مخارج'' رکھی ہے اور اسے چند کتب میں تقسیم کیا ہے اور ہر کتاب کو ابواب میں تقسیم کیا ہے پھر ابواب میں الفاظ و کلمات کو جمع کیا گیا ہے۔اس ترتیب کی مکمل یا جزوی پیروی ازہری، ابن عباد اور ابوعلی قالی وغیرہ نے اپنی اپنی کتب لغت میں کیا ہے۔اس مکتب فکر کا سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس کی ترتیب کا طریقہ کافی پیچیدہ اور دشوار ہے جس سے استفادہ کرنا آسان نہیں ہے۔

-مدرسة أبی عبید:اس مدرسہ کی نسبت ابوعبید قاسم بن سلام کی جانب کی جاتی ہے۔اس مکتب فکر کے لغت نگاران نے الفاظ کی بجائے معانی و موضوعات کے اعتبار سے اپنی اپنی کتب لغت کو مرتب کیا تھا جیسے بانی مدرسہ ابوعبید نے کتاب الخیل ،کتاب العسل ،کتاب الحشرات ،کتاب خلق الانسان اورکتاب النخل وغیرہ جیسی متفرق موضوعات کی کتاب کو یکجا کر کے اسے الغریب المصنف کے نام سے موسوم کیا تھا۔انھوں نے اپنی کتاب کو چند ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب کو ''کتاب'' سے موسوم کیا ہے اور اس میں ایک موضوع سے متعلق تمام الفاظ کو جمع کر دیا ہے جیسے کتاب النساء میں ان تمام الفاظ کو جمع کر دیا گیا ہے جن کا تعلق کسی نہ کسی لحاظ سے صنف نازک سے تھا۔اس مکتب فکر کے متبعین میں ابوالحسن ہنائی ازدی مؤلف المنجد فیما اتفق لفظ واختلاف معناه اور ابن سیدہ اندلسی مؤلف المخصص وغیرہ شامل ہیں۔اس مکتب فکر میں پائی جانے والی سب بڑی خامی یہ ہے کہ عربی میں متعدد الفاظ ایسے ہیں جن کے ایک سے زیادہ معانی پائے جاتے ہیں، اسی طرح بہت سی صفات ایسی ہیں جو تمام موجودات-انسان، حیوانات، نباتات حتی کہ جمادات- میں مشترک طور پر پائی جاتی ہیں لہذا کسی لفظ کے تلاش کرنے والے کو یقینی طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ صاحب کتاب/لغت نے اس کے مطلوبہ معنی کس باب/کتاب میں ذکر کیا ہے لہذا اسے اپنے مقصود معنی تک پہنچنے میں یقینی طور پر دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

-مدرسة الجوهری:اس مکتب فکر بانی مبانی امام لغت جوہری مؤلف الصحاح ہیں۔انھوں نے قدماء کے طرز تالیف کی خامیوں اور پریشانیوں کے مدنظر لغت کی ترتیب کا ایک نیا ڈھنگ اور طریقہ اختیار کیا جس کی وجہ سے کسی لفظ کے معنی و مفہوم کو تلاش کرنے میں بہت زیادہ آسانی پیدا ہوگئی۔یہ طریقہ کار کتاب العین اور الغریب المصنف کے طریقہ اور ترتیب سے کہیں زیادہ آسان اور بہتر ہے۔یہ طریقہ کار بہت زیادہ مشہور و معروف ہوا کہ سینکڑوں کتب لغات کو اسی طرز و ادا پر مرتب کیا گیا۔اس مکتب فکر میں لغت کو حروف تہجی کے اعتبار سے کسی لفظ کے پہلے حرف کی بجائے آخری حرف کے اعتبار سے مرتب کیا جاتا ہے۔آخری حرف کو باب سے موسوم کیا جاتا ہے اور فصول کا انعقاد کسی کلمہ کے پہلے حرف کے اعتبار سے کیا جائے گا۔فصول میں بھی حروف تہجی کو ملحوظ نظر رکھا جائے گا جیسے ''بسط'' کا لفظ باب الطاء میں مندرج ہوگا کہ اس کا آخری حرف طاء ہے اور یہ لفظ باب الطاء کی فصل الباء میں ملے گا کہ وہ کلمہ حرف باء سے شروع ہورہا ہے۔اسی طرح حدب، حرب، حزب اور حسب کو باب باء میں تلاش کیا جائے گا اور باب باء میں جا کر فصل حاء میں ان الفاظ کو تلاش کیا جائے گا۔اس مکتب فکر مشہور متبعین نے امام حسن صنعانی مؤلف العباب الزاخر وغیرہ، ابن منظور مؤلف لسان العرب اور مجدالدین فیروز آبادی مؤلف الاقاموس المحیط وغیرہ ہیں۔

-مدرسة البرمکی :اس مکتب فکر میں لغت کو حروف ہجاء کی معروف ترتیب پر مرتب کیا جاتا ہے کہ پہلے ہمزہ/الف سے شروع ہونے الفاظ و کلمات کے معانی و مفہوم کا ذکر کیا جائے گا اور سب سے آخر میں حرف یاء سے شروع ہونے والے الفاظ و کلمات کے معانی و مفاہیم بیان کیے جائیں گے۔یہ طریقہ کار آج تک مقبول ہے اور زیادہ تر لغت کی کتب اسی طرز پر مرتب کی جارہی ہیں۔اس مکتب فکر کا آغاز ابوعمرو شیبانی نے کیا تھا لیکن انھوں صرف کسی حرف سے شروع ہونے والے الفاظ و کلمات کو یکجا کر دیا تھا لیکن اس کے مابعد حروف کی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا تھا جیسے انھوں الأوق، الألب، المأقول، الأفق، الأزدح، المأموم کو یکے بہ دیگرے ذکر کیا جس میں ہمزہ کے بعد والے حروف کی ترتیب کا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔امام شیبانی کے طریقہ سے استفادہ کرتے ہوئے ابوالمعالی محمد بن تمیم برمکی نے کسی بھی حرف سے شروع ہونے والے الفاظ و کلمات میں مابعد حروف کی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھا جس کی وجہ سے اس طریقہ کا بانی امام شیبانی کی بجائے انھیں ہی قرار دیا جاتا ہے۔انھوں نے کوئی لغت مرتب نہیں کی تھی لیکن لغت کی اس ترتیب

ایک نئے طریقہ کے موجد ہونے کہ وجہ سے وہ فن لغت کی تاریخ میں زندہ وجاوید ہوگئے ہیں۔ان کا کارنامہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے جوہری کی الصحاح کو آخری حرف کی بجائے اوائل کلمات کے حساب مرتب کردیا تھا جس میں اول کلمہ کے بعد والے حروف کی ترتیب کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا تھا۔اس مدرسہ کے متبعین میں امام زمخشری مؤلف اساس اللغۃ جیسے باکمال شامل ہیں۔بعض اہل علم اس مدرسہ کا بانی امام زمخشری کو قرار دیتے ہیں جو یقینی طور پر غلط ہے کہ دونوں کے درمیان کے زمانہ میں صدیوں کا فرق پایا جاتا ہے۔

3.7.2 شاعری

عہد عباسی میں شاعری میں بھی کافی بال و پر آئے تھے جن کا تفصیلی ذکر شاعری پر مشتمل اکائی میں کیا جاچکا ہے۔تاہم حسب ذیل سطور میں مختصر طور پر عہد عباسی کی شاعری کا ذکر کیا جارہا ہے۔

عربی شاعری کے تمام ادوار میں عہد عباسی کی شاعری متعدد اور گوناگوں صفات،امتیازات اور خصوصیات کی وجہ سے منفرد وممتاز نظر آتی ہے۔اس عہد میں مختلف اقوام وملل اور ان کی تہذیب وثقافت ایک دوسرے سے گلے ملتی ہوئی نظر آتے ہیں۔اس عہد کے سماجی،ثقافتی اور علمی وادبی ماحول نے ایک ایسی فضا تیار کردی تھی جس کی مثال پوری اسلامی تاریخ میں نظر نہیں آتی ہے۔اس عہد کی مخصوص فضا میں عربی شاعری اپنے نئے رنگ وروپ میں پروان چڑھتی ہے اور ایسے بیش بہا نمونے پیش کرتی ہے جس نے عربی شاعری کا دامن کو بہت سارے گہر آبدار سے بھر دیا تھا اور اس کی قدر وقیمت میں گرانقدر اضافہ کردیا تھا۔

عصر عباسی کی شاعری،عربی شاعری کے دیگر تمام ادوار سے اس لحاظ سے ممتاز قرار پاتی ہے کہ اس عہد میں شعراء،متقدمین شعراء کے طرز اسلوب وبیان سے قطع نظر ایک نیا طرز واسلوب اختیار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔وہ محبوبہ اور اس کی نشانیوں کی یاد میں آنسو بہاتے ہوئے نظر نہیں آتے ہیں بلکہ وہ اپنے قصائد کا آغاز اپنے اپنے ذوق کی مناسبت سے مختلف رنگ وڈھنگ سے کرتے ہیں جس میں شہری تمدن اور بود وباش کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

اس عہد کی شاعری میں ایک طرف جہاں قدیم اصناف سخن- جیسے مدح،مرثیہ اور ہجو وغیرہ- کے دائرۂ کار میں وسعت پیدا ہوئی تھی وہیں چند جدید موضوعات شاعری پر - جیسے غزل غلمان،زہدیات،طردیات،خمریات وغیرہ- پر شعراء داد سخن دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ عہد عباسی کے موضوعات شاعری میں مجموعی طور کافی نمایاں تبدیلیاں ہوئی تھیں۔ان تمام تر تبدیلیوں کے باوجود اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس عہد میں بھی کچھ شعراء ایسے موجود تھے جن کی شاعری پر جدید ماحول اور حالات اثرات یا تو مرتب ہی نہیں ہوئے تھے یا برائے نام مرتب ہوئے تھے اور وہ قدیم اسلوب وانداز میں ہی شاعری کررہے تھے۔

عہد عباسی کی شاعری پر جب ایک طائرانہ نظر ڈالی جاتی ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس عہد کی شاعری کو فروغ دینے میں شعراء کے ساتھ ساتھ سماج کے مختلف طبقات جیسے عباسی خلفاء،وزراء،امراء اور وعمائدین سلطنت،نثر نگاران اور علماء دین وغیرہ نے نمایاں کردار ادا کیا تھا کہ ایک طرف جہاں عباسی خلفاء،وزراء،امراء اور وعمائدین سلطنت نے شعراء کی سرپرستی کی تھی تو دوسری طرف انھوں نے خود بھی داد سخن حاصل کی تھی اور شاعری کے عمدہ نمونے بطور یادگار چھوڑے تھے۔

عہد عباسی میں شاعری کے فروغ کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس عہد میں شاعری کسب معاش،عزت وشہرت اور مال ودولت حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ بن گئی تھی۔اسی طرح مملکت عباسیہ میں شاعری کے اہم مرکز بغداد کے علاوہ دیگر مراکز ومقامات بھی پائے تھے جہاں کے امراء اور حکمرانوں کے دربار میں شعر وشاعری کی سرپرستی کی جاتی تھی نتیجتاً شعراء کو دیگر ادوار شاعری کے مقابلہ میں زیادہ بڑا اور وسیع میدان ملا اور انھوں نے اپنی اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو اچھے انداز واسلوب میں پیش کیا۔

عہد عباسی کے شعراء کو تین بڑے زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔پہلا طبقہ مخضرم شعراء کا ہے،جنھوں نے عہد اموی کا اواخر اور عہد عباسی کا اولیں دور پایا تھا۔انھیں شعراء نے عہد عباسی کی شاعری میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔اس طبقہ کے اہم نمائندہ شاعر بشار بن برداور اور ابونواس ہیں۔دوسرا طبقہ شعرائے مولدین کا ہے جن کی زندگی کا بیشتر حصہ تیسری صدی میں گذرا تھا۔انھوں نے اپنے پیش رو شعراء کے کاج کو آگے بڑھاتے ہوئے عربی شاعری کو نئے رنگ وآہنگ سے نوازا تھا۔اس طبقہ کے نمائندہ شعراء میں ابوتمام اور بحتری وغیرہ کا شمار کیا جاتا ہے۔تیسرا طبقہ شعرائے محدثین کا ہے جن کی زندگی کا بیشتر حصہ چوتھی صدی میں گذرا تھا۔انھوں نے بھی عربی شاعری کے فروغ میں کافی اہم کردار ادا کیا تھا۔اس طبقہ کے اہم شعراء میں متنبّی اور ابوالعلاء معری وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا شعراء کو موضوعاتی اور فنی لحاظ شعراء البداوة، الشعراء المجددون، الشعراء المفتنون ،شعراء الصنعة ،الشعراء المحافظون، الشعراء المبدعون اور شعراء المذاهب والوجدان والفکر کے زمروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

مؤخر الذکر طبقہ شعراء کی ایک بڑی اکائی پر مشتمل ہے جسے ان کے نظریات،خیالات وافکار کے لحاظ سے انھیں شعراء العباسية (حکومت وقت کے دربار سے منسلک شعراء)،شعراء الشيعة (شیعی نظریات کے حامل شعراء)،شعراء العشق (شعرائے غزل)،شعراء الزهد والحكمة والمواعظ (شعرائے زہد وحکمت وموعظت)،شعراء علماء (علوم وفنون کو نظم کرنے والے شعراء) اور شعراء الطبع والزندقة (فطرت اور زندیقیت کے نمائندہ شعراء) جیسے زمروں میں بھی تقسیم کیا جاتا

ہے۔

3.8 خلاصہ

تاریخ اسلامی کا سب سے زریں عہد عہد عباسی ہے جس میں گوناگوں قسم کی ترقیاں ہوئیں۔علوم وفنون نے ارتقائی مراحل طے کیے اور اوج کمال تک پہنچ گئے تھے۔عہد عباسی میں پروان چڑھنے والے علوم وفنون کو بنیادی طور پر زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا زمرہ ان علوم وفنون پر مشتمل ہے جو عصر عباسی کے علماء وفضلاء کو اسلاف خصوصا عہد اموی سے بطور ورثہ ملے تھے۔دوسرا زمرہ ان علوم وفنون پر مشتمل ہے جن کی بناء عصر عباسی میں رکھی گئی تھی۔عصر عباسی میں پروان چڑھنے والے علوم وفنون پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ عہد عباسی کے علماء کو بطور ورثہ ملنے والے علوم وفنون کی تعداد زیادہ ہے۔

عہد عباسی میں فروغ پانے والے علوم وفنون کو فنی لحاظ سے اسلامی ،سائنسی ،سماجی اور ادبی علوم وفنون میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ان علوم وفنون میں اسلامی علوم وفنون کا سرمایہ سب سے زیادہ ہے۔اسلامی علوم وفنون میں علوم قرآن کو سب سے زیادہ نمایاں مقام ومرتبہ حاصل ہے کہ قرآن کے مختلف پہلوؤں کو علمائے اسلام نے اپنے مطالعہ کا موضوع بنایا تھا اور حاصل مطالعہ کو کتابی شکل میں مرتب کر دیا تھا۔قرآن کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس پر علمائے اسلام نے قلم نہ اٹھایا ہو۔

قرآن کے بعد حدیث وعلوم حدیث کے موضوع پر ایک معتد بہ ذخیرہ علمائے اسلام نے مرتب کیا تھا۔علم حدیث کے روایتی اور درایتی دونوں پہلوؤں پر سیر حاصل مباحث کیے گئے ہیں۔حدیث کے ضمن میں اسماء الرجال جیسا علم پروان چڑھا جس کی نظیر آج تک نہ پیش کی جاسکی ہے۔

فقہ اور علوم فقہ پر بھی قابل ذکر سرمایہ مرتب کیا گیا ہے۔سیرت نبوی کے موضوع پر بھی اہم ترین کتابیں مرتب کی گئی ہیں۔تذکرہ وتراجم کے موضوع پر بھی ایک قابل قدر سرمایہ مرتب کیا گیا تھا۔

مذکورہ بالا علوم وفنون کے بطن سے نت نئی شاخیں پھوٹیں تھیں جن میں اس عہد میں اتنے بال وپر آئے کہ آگے چل کر انھیں ایک مستقل علم وفن کا درجہ حاصل ہو گیا جیسے فن سیرت نبوی کہ اس کے ابتدائی خدوخال ہمیں حدیث میں ملتے ہیں لیکن آگے چل کر وہ ایک مستقل فن بن جاتا ہے۔اسی طرح فن سیرت نگاری سے فن تاریخ پروان چڑھتا ہے جو آگے چل کر سیرت نبوی سے جدا ہو کر ایک مستقل علم وفن کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔جغرافیہ کے بطن سے سفرنامہ جیسی ادبی صنف پروان چڑھتی ہے۔

عہد عباسی میں پروان چڑھنے والے سماجی علوم وفنون میں تاریخ ،جغرافیہ ،تصوف ،منطق وفلسفہ اور علم کلام جیسے علوم وفنون شامل ہیں۔ان علوم وفنون پر عہد عباسی ے علماء نے ایک گرانقدر سرمایہ بطور یادگار چھوڑا ہے۔اسی طرح متعدد ادبی علوم وفنون جیسے علم بلاغت ،تنقید اور لغت جیسے علوم وفنون پروان چڑھے تھے۔اس عہد کی نثر نگاری کو عربی ادب کی تاریخ میں سب سے زیادہ ممتاز اور نمایاں قرار دیا جاتا ہے۔اس عہد کی نثر نگاری کے مقابلہ میں صرف عصر جدید کی نثر نگاری کو بطور نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے۔اس عہد کی شاعری ،اس کے موضوعات اور اصناف سخن میں بھی نمایاں تبدیلیاں ملتی ہیں۔

عہد عباسی کی سب سے خاص بات یہ کہ اس عہد میں سائنسی مزاج میں بہت زیادہ ترقی ہوئی تھی اور علمائے عہد عباسی نے ہر موضوع پر غور وفکر کر کے اہم ترین کتب مرتب کیں۔اس عہد میں سائنسی علوم وفنون نے نمایاں طور پر ارتقائی مراحل طے کیے تھے جس کے گہرے اور دوررس اثرات بعد کی صدیوں پر مرتب ہوئے تھے۔اس عہد کی سائنسی ترقیوں کو ہی یورپ کی نشأۃ ثانیہ کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تمام علوم وفنون میں عہد عباسی کے علماء وفضلاء نے بہت ہی اہم کتب بطور یادگار چھوڑی ہیں۔اس عہد کے علماء وفضلاء کی علمی کاوشوں اور کوششوں نے یورپ کی نشأۃ ثانیہ میں اہم کردار ادا کیا ہے جس کا برملا اعتراف تمام حق پسند اہل علم ودانش کرتے ہیں۔

3.9 نمونے کے امتحانی سوالات

درج ذیل سوالوں کے جوابات پندرہ سطروں میں لکھیے۔

1-علم اعراب ومعانی القرآن پر ایک نوٹ لکھیے۔

2-عہد عباسی میں مدون کیے جانے والے مجموعۂ احادیث کو کن کن زمروں میں تقسیم کیا جاتا ہے؟

3-علم اصول فقہ پر ایک نوٹ لکھیے۔

4-عہد عباسی میں فن کیمیاء کے فروغ پر روشنی ڈالیے۔

5-علم ہیئت ونجوم میں عہد عباسی کے علماء کی خدمات کا مختصر تعارف کرایے۔

6-علم جغرافیہ میں عہد عباسی کے علماء وفضلاء کی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

درج ذیل سوالوں کے جوابات تیس سطروں میں لکھیے۔

7-فن تفسیر پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔

8-فن اسماء الرجال پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔

9-فقہ کا تعارف کراتے ہوئے اس کے ادوار تدوین اور مشہور فقہی مکاتب پر روشنی ڈالیے۔

10-فن سیرت نبوی کے آغاز وارتقاء کا تفصیل سے جائزہ لیجیے۔

11-عہد عباسی میں طب کے فروغ پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

12-عہد عباسی کے مشہور ماہرین ریاضی وحساب وہندسہ کا مختصر تعارف کرایے۔

13-عہد عباسی میں فن تاریخ کے فروغ پر ایک نوٹ لکھیے۔

14-عہد عباسی کی نثر نگاری کا جائزہ لیجیے۔

3.10 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

-تاريخ الأدب العربي (العصر العباسي الأول) ڈاکٹر شوقی ضیف

-الجامع في تاريخ الأدب العربي حنا فاخوری

-تاريخ الأدب العربي احمد حسن زیات

-عصر العباسيين (الجزء الأول والجزء الثاني) ڈاکٹر محمد زغلول سلام

-تاریخ تہذیب اسلامی (حصہ سوم: خلافت عباسی) از پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی، ۲۰۱۲ء (طبع اول)

-عربی ادب کی تنقیدی تاریخ پروفیسر سید احتشام احمد ندوی

-اردو دائرۃ المعارف